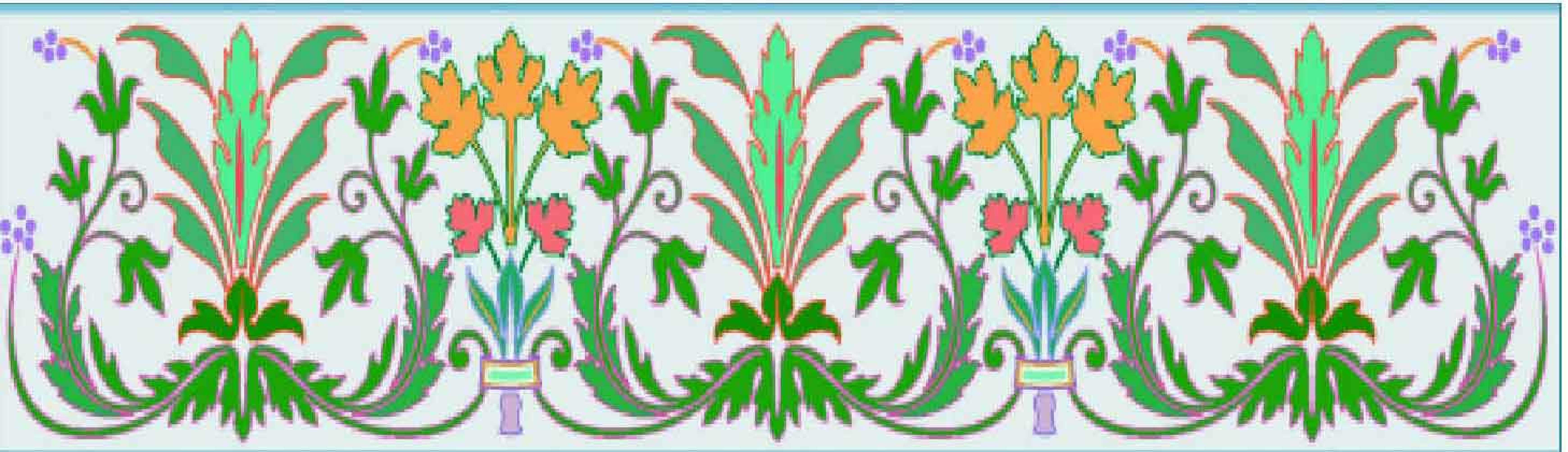


دیوبندیت بریلویت
دلائل کے آئینہ میں

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

دیوبندیت وبریلویت دلائل کے آئینہ میں

دیوبندیت وبریلویت

دلائل کے آئینہ میں

از

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، آرمسٹرانگ روڈ، بیدواڑی، بنگلور

وخلیفہ

فقیہ الاسلام حضرت اقدس مفتی مظفر حسین صاحب دامت برکاتہم

دیوبندیت وبریلویت
دلائل کے آئینہ میں

دیوبندیت اور بریلویت کے اہم اختلافی عقائد پر قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اس میں نہ مناظرانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور نہ فلسفیانہ نکتہ آفرینوں اور علم کلام کے پیچیدہ علمی موشگافیوں کو جگہ دی گئی ہے بلکہ سادہ وصاف قرآنی وحدیثی دلائل کو تفہیمانہ انداز میں پیش کر کے حق کو واضح کیا گیا ہے۔

از

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی
مہتمم مدرسہ مسیح العلوم، آرمسٹرانگ روڈ، بیدواڑی، بنگلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

زیرِنظر رسالہ ''دیوبندیت وبریلویت'' کے ان اختلافی مسائل پر لکھا گیا ہے جن کا تعلق بابِ عقائد سے ہے اور آسان زبان کے استعمال کے ساتھ، تفہیمانہ انداز اختیار کرتے ہوئے حق کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دیوبندی وبریلوی مکاتبِ فکر میں اگرچہ ایک طویل زمانہ سے اختلاف چلا آ رہا ہے اور ان کے اختلافی مسائل پر طرفین سے ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں چھوٹی بھی ہیں اور بڑی بھی، مناظرانہ طرز کی بھی ہیں اور تفہیمانہ انداز کی بھی، تیز وتند لہجے میں بھی ہیں اور سنجیدہ ومتین انداز کی بھی، نیز اس سلسلہ میں بے شمار مناظرے بھی ہو چکے ہیں اور ان مناظروں کے تلخ نتائج بھی زمانے نے دیکھے ہیں۔

اس کے بعد اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اس موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے۔ مگر بعض حالات نے راقم الحروف کو اس پر مجبور کیا کہ اس پر لکھا جائے۔ وہ حالات یہ کہ بعض بریلوی علماء نے اپنی سابقہ روایات کو دہراتے ہوئے سالِ رواں کے ماہ ربیع الاول اور اس کے بعد سیرت ومیلاد کے جلسوں میں علماءِ دیوبند کو کافر کہا اور اس سے عوام میں انتشار واضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی اور وہ حق کی تلاش میں پریشان نظر آنے لگے جس کی بنا پر دیوبندی مسلک کی وضاحت اور علماءِ دیوبند کے عقائد کی تشریح کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ تاکہ حق وباطل کا امتیاز ہو جائے اور پریشان عوام کو دلائل کی روشنی میں ان دونوں مسلکوں میں سے حق کس کے ساتھ ہے معلوم ہو جائے۔

نیز ہم نے دیکھا کہ اصل اختلاف تو کم ہے، مگر بیان کرنے والے اس کو بڑھا

چڑھا کر کے حدوں سے تجاوز کرتے ہیں، اس کی توضیح کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ راقم الحروف نے عقائد سے متعلق دیوبندی و بریلوی اختلاف کے اہم اہم مسائل کو دلائل کی روشنی میں پیش کر کے حق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں نہ مناظرانہ طرز اختیار کیا گیا ہے اور نہ تیز و تند لہجہ، نہ علم عقائد و کلام کے دقیق مباحث وعمیق مضامین کو چھیڑا گیا ہے، اور نہ فلسفیانہ انداز کی بے تکی موشگافیوں سے کام لیا گیا ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث کے واضح وصاف دلائل کو حضرات علماء مفسرین وائمہ فقہ کے اقوال وارشادات کی روشنی میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ حق کو کما حقہ سمجھا جاسکے۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ حق کی تلاش وجستجو کی نیت ہی سے اس کا مطالعہ فرمائیں، تنگ نظری وتعصب سے ہرگز کام نہ لیں، کیونکہ ہمیں اللہ و رسول علیہ السلام کی خوشنودی حاصل کرنا ہے نہ کے کسی گروہ و فرقہ و جماعت کی۔ اگر اس نیت سے دلائل پر غور کریں گے تو ضرور حق واضح ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو قبولیت سے مشرف فرمائے اور لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت اور میرے لیے توشہ آخرت بنا دے۔ آمین یارب العالمین

فقط

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ

احاطہ مدرسہ مسیح العلوم بیدواڑی، بنگلور

۹/رجب المرجب ۱۴۱۴ھ

۲۳/دسمبر ۱۹۹۳ء

نور اور بشر

دیوبندی اور بریلوی نظریات جن امور میں ٹکراتے ہیں، ان میں سے ایک حضرت نبی کریم ﷺ کے نور و بشر ہونے کا مسئلہ ہے۔ بریلوی مکتب فکر کے لوگ آپ کو بشر ماننے سے انکار کرتے ہیں اور نور قرار دیتے ہیں جبکہ دیوبندی مکتب فکر آپ ﷺ کو بشر قرار دیتا ہے۔ ان میں سے حق پر کون ہے؟ اس کا فیصلہ قرآن وحدیث، پھر وہ علماء وائمہ کریں گے، جن کو دونوں مکاتب فکر کے لوگ مانتے ہیں۔

قرآن کیا کہتا ہے؟

پہلے قرآن کریم کو لیجئے اور دیکھئے کہ وہ کیا کہتا ہے؟ ہم نے جہاں تک غور کیا، یہی سمجھ میں آیا کہ قرآن کریم نبی کریم ﷺ کو بشر وانسان قرار دیتا ہے اور آپ کی جنس دراصل آدمیت بتاتا ہے، مگر اسی کے ساتھ آپ کے اونچے اوصاف اور کمالات کی طرف اشارہ کرنے کے آپ کو مختلف القاب سے بھی یاد کرتا ہے اور اسی سلسلہ میں آپ کو نور بھی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا۔

﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَابَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوْحىٰ اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ واحِدٌ﴾

(ترجمہ: کہہ سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک آدمی ہوں، مانند تمہاری، وحی کی جاتی ہے طرف میری یہ کہ معبود تمہارا رب ہے) (سورہ کہف: آیت: ۱۱۰)

اس مضمون کی ایک آیت حم سجدہ (آیت نمبر: ٦) بھی ہے، اور دیگر مقامات پر بھی یہ مضمون دوسرے انداز سے مذکور ہے، اس آیت میں غور کیجئے کہ کس صفائی کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام بشر یعنی انسان ہیں، اور ''مثلکم'' (تمہاری مانند) کے الفاظ نے اس معنی کو اور زیادہ واضح کر دیا کہ آپ کی جنس اور اصل وہی ہے جو دیگر انسانوں کی ہے۔ مگر چونکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے

بھیجا ہے اور آپ ﷺ لوگوں کو ظلمت سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتے تھے، اس لیے آپ کو اس خصوصیت کی وجہ سے نور بھی فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ [مائدہ:۱۵]

(تحقیق کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آئی ہے)

اس آیت میں نور سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے، بعض نے قرآن مراد لیا ہے۔ بعض نے اسلام اور بعض مفسرین نے نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکت کو مراد لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور علامہ طیبی سے اس کا اوفق ہونا نقل کیا ہے۔(۱)

علامہ قرطبیؒ نے بھی نور سے آپ کی ذات کا مراد ہونا نقل کیا ہے۔(۲)

مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور پرنور علیہ السلام بشر نہیں تھے۔ بلکہ بشر ہونے کے ساتھ آپ نور بھی تھے، کیونکہ آپ لوگوں کو کفر کی تاریکی سے ایمان کی روشنی کی طرف لاتے تھے۔ چنانچہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی صاحب جو بریلوی مکتب فکر کے مشہور مفسر ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

سید عالم ﷺ کو نور فرمایا گیا؛ کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہِ حق واضح ہوئی۔(۳)

مذکورہ تفصیل سے قرآن کا نقطۂ نظر واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ اصل وجنس کے لحاظ سے بشر تھے اور راہ حق کو واضح کرنے والے ہونے کے لحاظ سے آپ نور بھی تھے۔

حدیث شریف کا فیصلہ:

اس کے بعد حدیث شریف کو دیکھنا چاہئے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں ایک حدیث درج کی ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کو نماز میں بھول ہوگئی، بعد نماز آپ

(۱) روح المعانی: ۶/۹۷ (۲) قرطبی: ۶/۱۱۸ (۳) خزائن العرفان سورہ مائدہ حاشیہ نمبر ۵۸

کوصحابہ نے بتایا۔تو آپ نے اس پر یہ الفاظ ارشافرمائے:

"وَلٰکِن اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسیٰ کَمَا تَنْسَوْنَ"(۱)

(ترجمہ:لیکن میں تو ایک انسان ہوں، بھولتا ہوں جیسا کہ تم بھولتے ہو)

یہ مسلم شریف کی حدیث ہے جس کو دیوبندی بھی جانتے ہیں اور بریلوی بھی مانتے ہیں، نیز یہی حدیث بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔(۲)

نیز امام مسلم نے ایک واقعہ درج فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچنے کے بعد لوگوں کو دیکھا کہ وہ تابیر کرتے ہیں، یعنی کھجور کے نر درخت کا پھول، مادہ درخت کے پھول سے ملا کر فصل میں اضافہ کرتے ہیں۔اس پر نبی کریم ﷺ نے اس سے ان کو منع فرمایا کہ اگر تم یہ نہ کرو تو یہ اچھا ہے۔لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تو پھل میں کمی آگئی اور صحابہ نے اس کا ذکر حضور علیہ السلام کی خدمت میں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَااَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ اَمْرِدِیْنِکُمْ فَخُذُوْابِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ رَائِی فَاِنَّمَا اَنَابَشَرٌ"(۳)

(ترجمہ: میں تو ایک انسان ہوں، جب میں دین کی کسی بات کا تم کو حکم دوں تو اس کو تھام لو، اور اگر اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بھی ایک انسان ہوں)

ان دونوں حدیثوں میں جو بخاری و مسلم کی روایت کردہ اور صحیح ہیں۔صراحت کے ساتھ آپ نے اپنے متعلق بتایا ہے کہ میں انسان اور بشر ہی ہوں۔لہٰذا آپ کو بشر ماننا قرآن و حدیث دونوں کے فیصلہ کے مطابق ضروری ہے۔

حضراتِ صحابہ کیا فرماتے ہیں:

حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کو جتنا قریب سے جانتے تھے۔مخلوق میں سے کون اتنا قریب سے آپ کو جان سکتا ہے۔پھر وہ حضرات

(۱) صحیح مسلم:۲۱۲/۱ (۲) بخاری:۵۷/۱ (۳) مشکوۃ شریف:۲۸

آپ کی عظمت اورعزت جتنی کرتے تھے،کون اس کا مقابلہ کرسکتا ہے؟ لہٰذا صحابہ کرام نے آپ کے بارے میں جوفرمایا وہ بلاشبہ حقیقت ہی کا انکشاف ہوگا اور ساتھ ہی آپ کی تعظیم وتکریم کا بھی پورالحاظ اس میں کیا گیا ہوگا۔

اب دیکھئے وہ حضرات کیا فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اپنا جوتا سی لیتے، کپڑا سی لیتے اور گھر میں وہ کام کرلیتے جوتم میں سے کوئی کرلیتا ہے،اورفرمایا کہ آپ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔الخ (۱)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو''شمائل نبوی''میں بھی روایت کیا ہے۔

غور یہ کرنا ہے کہ نبی علیہ السلام کے متعلق خود آپ کی زوجہ مطہرہ صاف فرماتی ہیں کہ آپ بشر وانسان تھے۔حضرت عائشہؓ کو جوخصوصیت نبی کریم علیہ السلام سے حاصل تھی ،وہ سب کو معلوم ہے ۔انہوں نے آپ کوجلوت وخلوت کے ہر موقعہ پر دیکھا ہے۔اورفرماتی ہیں کہ آپ انسان وبشر تھے،لہٰذا صحابہ کرام کا نظریہ اس سے واضح ہوا کہ وہ بھی آپ کوانسان تسلیم کرتے تھے۔

قرآن، حدیث، اقوال صحابہ سب اس پر متفق ہیں کہ آپ اصل وجنس کے اعتبار سے بشر اور انسان ہیں۔رہا آپ کا نور ہونا، یہ دوسرے اعتبار سے ہے جیسا کہ اوپر گزر گیا۔

ایک عام فہم مثال:

اس کوایک مثال سے سمجھنا چاہئے کہ بلب جوروشنی دیتا ہے، وہ اپنے اصل وجنس کے اعتبار سے شیشہ ہے،مگر اپنی صفت کے لحاظ سے نور ہے۔لہٰذا بلب کی اصل کا سوال ہوتو یہی کہا جائے گا کہ وہ شیشہ ہے،اس کے باوجود وہ نور بھی ہے۔اگرکوئی

(۱) ترمذی، مشکوۃ :۵۲۰

شخص کہنے لگے کہ بلب تو سراسر نور ہے، اس کو شیشہ نہ کہو تو یہ غلط ہوگا۔ کیونکہ بلب کا نور ہونا سو فی صدی صحیح ہے، مگر پھر بھی وہ شیشہ ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ انسان اور بشر تھے اور اس کے باوجود نور بھی تھے۔ جو شخص آپ کو نور مان کر بشر ہونے کا انکار کرتا ہے وہ دراصل غلط فہمی کا شکار ہے۔

بریلوی علماء کے ارشادات:

بریلوی مکتب فکر کے علماء بھی آپ کو بشر مانتے ہیں، چنانچہ مولانا امجد علی رضوی صاحب اپنی معروف کتاب ''بہار شریعت'' میں نبیوں کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اس کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت''(۱)

دیکھئے کس قدر صفائی کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ انبیاء سب بشر تھے۔ ''سب'' کہہ کر تمام انبیاء کو اس میں شامل کرلیا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں آقائے مدنی ﷺ بھی داخل ہو گئے۔

نیز مولانا نعیم الدین صاحب مرآدآبادی اپنی تفسیر خزائن العرفان میں آیت:

﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالاً نُّوْحِیْ اِلَیْھِم﴾ (سورہ نحل: ۴۳)

(ترجمہ: تم سے پہلے نہ بھیجے ہم نے مگر مرد جن کی طرف وحی کرتے تھے)

کے تحت فرماتے ہیں:

''یہ آیت مشرکین مکہ کے جواب میں نازل ہوئی، جنھوں نے سید عالم ﷺ کی نبوت کا اس طرح انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے برتر ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنائے۔ انہیں بتایا گیا کہ سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے، ہمیشہ اس نے

(۱) بہار شریعت: ۸/۱

انسانوں میں سے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔ (۱)

اس عبارت میں مولانا نعیم الدین صاحب نے صاف طور پر بتایا ہے کہ سنت الٰہی یہی ہے کہ اس نے انسانوں میں سے ہی رسول بنا کر بھیجا ہے۔ لہٰذا اگر نبی کریم ﷺ بشر ہیں تو کوئی تعجب نہیں بلکہ یہ بھی اسی سنت الٰہی کا تقاضا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بریلوی مستند علماء بھی حضور پرنور علیہ السلام کو بشر و انسان ہی مانتے ہیں، جیسا کہ دیوبندی علماء مانتے ہیں، لہٰذا حقیقت میں کوئی اختلاف ہی سرے سے نہیں ہے۔

دیوبندی علماء اور مقام نبی:

اسی طرح دیوبندی علماء حضور اکرم ﷺ کو جس طرح بشر مانتے ہیں نور بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

''حضور ﷺ کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور اپنے وجود نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں اور عالم ارواح میں اس نور کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی، آخر زمانے میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عنصری میں جلوہ گر و تاباں ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا'' (۲)

ملاحظہ کیجئے کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو دیوبندی علماء میں خاص مقام رکھتے ہیں، کس صفائی کے ساتھ حضور اکرم علیہ السلام کو نور قرار دیا ہے۔ نیز ماضی قریب کے مشہور دیوبندی و تبلیغی عالم حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی ''شمائل ترمذی'' کی شرح میں ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حضور اقدس ﷺ سراسر نور تھے، وہاں میل کچیل کہاں تھا، اسی طرح آپ کا پسینہ سراسر گلاب تھا جو خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا''۔ (۳)

(۱) خزائن العرفان سورہ نحل ف ۸۹ (۲) مجمع الجور: ۱۱۸ (۳) خصائل نبوی: ۲۵۴

معلوم ہوا کہ علماء دیوبند بھی آپ کو نور مانتے ہیں۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ علماء دیوبند، حضور اقدس علیہ السلام کو ایک معمولی بشر نہیں کہتے، جیسا کہ بعض لوگ ان پر الزام رکھتے ہیں، بلکہ وہ آپ ﷺ کو سید البشر و افضل البشر کہتے ہیں، اور خدا کے بعد سب سے بزرگ و برتر ہستی مانتے ہیں۔ترجمان علماء دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ علماء دیوبند کا سرکار دوعالم ﷺ کے بارے میں عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''علماء دیوبند بصدقِ قلب سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو افضل الکائنات، افضل البشر، اور افضل الانبیاء یقین کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی آپ کی بشریت کا بھی اعلانیہ اقرار کرتے ہیں، وہ علماء (دیوبند) آپ کی ذات بابرکات کو تمام انبیاء کرام کی تمام کمالاتی خصوصیات خلت، اصطفائیت، کلیمیت، روحیت، موادقیت، مخلصیت اور صدقیت وغیرہا کا جامع بلکہ مبدا نبوتِ انبیاء اور منشاء ولایت اولیاء سمجھتے ہیں۔(۱)

حضرت مرشدی مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ اپنی کتاب ''تعلیمات اسلام'' میں فرماتے ہیں۔

''آپ یعنی حضور اکرم علیہ السلام، خدا کے بندے اور ایک انسان ہیں خدائے تعالیٰ کے بعد آپ تمام مخلوقات حتیٰ کہ تمام نبیوں اور فرشتوں سے افضل ہیں''۔(۲)

علماء دیوبند کی ان عبارات سے اور انکے علاوہ سینکڑوں سیرۃ النبی ومناقب وفضائل نبی پر ان حضرات کی کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو بشر ماننے کے ساتھ تمام مخلوق میں سب سے افضل قرار دیتے ہیں۔حتی کہ اس پر کفر کا فتویٰ بھی صادر کرتے ہیں، جو آپ کو محض اپنے جیسا کہ ایک معمولی بشر مانے۔چنانچہ مناظرِ اسلام مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ اپنی کتاب ''تحقیق الکفر والایمان'' میں

(۱) علماء دیوبند کا دینی رُخ: ۱۱۸ (۲) تعلیمات اسلام: ۶۲/۱

بشریت نبی کا مسئلہ مفصل لکھ کر آخر میں رقمطراز ہیں کہ:

''ایسے ہی وہ بھی کافر ہے جو آپ کو بالکل اپنے مثل بتلائے اور معاذ اللہ ایک دینوی ایلچی اور قاصد کی قدر، رسالت ونبوت کی سمجھے''۔(رسالہ مذکورہ:۱۵)

انکارِ بشریت کی دلیل کا جواب:

اس تفصیل کے بعد بشریت نبی کی نفی وانکار کرنے والوں کی دلیل کا جواب دیدینا بھی ضروری ہے، جو لوگ حضور ﷺ کو بشر ماننے تیار نہیں، وہ قرآن وحدیث کے واضح دلائل کو چھوڑ کر ایک ایسی حدیث سے دلیل لاتے ہیں، جو ان کے مدعیٰ پر دلالت ہی نہیں کرتی، وہ دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ صومِ وصال یعنی بغیر سحری وافطار کے لگاتار روزے رکھتے۔ صحابہ نے اس کی اجازت چاہی کہ وہ بھی یوں روزہ رکھیں گے۔ آپ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ ''**لستُ کاحدکم** ''کہ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں، اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے''

مگر اس سے یہ سمجھنا کہ حضور انسان وبشر نہیں تھے، قصور فہم کا نتیجہ ہے، کیونکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ میرے میں ایسی خصوصیات وکمالات ہیں جو تم میں نہیں۔ جیسے استاذ اپنے شاگرد کو اگر یوں کہے کہ تم مجھ جیسے نہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ شاگرد انسان نہیں یا استاد انسان نہیں۔ بلکہ اس سے بتانا یہ ہے کہ دونوں کے مرتبوں میں فرق ہے۔ اسی طرح آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ میرا مقام ومرتبہ تم جیسا نہیں، بلکہ میرا مقام اونچا ہے۔ اور اسی کے اقتضاء سے خدا کی طرف سے مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے، لہٰذا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ ﷺ بشر نہیں تھے غلط ہے۔

۞ خلاصہ تحقیق:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن، حدیث وآثار صحابہ سے نبی کریم ﷺ کا بشر وانسان ہونا بصراحت ثابت ہوتا ہے، نیز آپ کا نور ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، آپ ﷺ بلحاظ جنس واصل کے انسان ہیں اور صفات کے لحاظ سے جیسے آپ ہادی، بشیر، نذیر وغیرہ القاب سے ملقب ہیں، اسی طرح آپ نور سے بھی موسوم ہیں، اور آپ کے بشر ہونے کو جس طرح دیوبندی علماء مانتے ہیں، علماء بریلوی بھی اس کے قائل ہیں اور آپ کے نور ہونے کا جس طرح بریلوی اقرار کرتے ہیں، علماء دیوبند بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

ناظرین کرام! اس واضح وصاف مسئلہ کو بعض ضدی واختلاف پسند طبیعتوں نے عوام میں اٹھا کر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کی فضا پیدا کر دی ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو موقعہ ہی نہ دیں اور ہمیشہ اللہ اور اللہ کے رسول علیہ السلام کو راضی کرنے کی فکر کریں اور حقائق کے سامنے آجانے کے بعد اس کو قبول کر کے اپنی آخرت کو سنوارنے کی کوشش فرمائیں۔

حاضر وناظر

نبی کریم ﷺ حاضر وناظر ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں بھی دیوبندی وبریلوی مکاتبِ فکر میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ دیوبندی حضرات، حضور ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کا شدت سے انکار کرتے ہیں اور بریلوی طبقہ کے لوگ آپ ﷺ کے حاظر وناظر ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ''حاضر وناظر'' کا مطلب کیا ہے؟ حاضر کا مطلب ہے، وہ جو موجود ہو اور ناظر کہتے ہیں اس کو جو دیکھنے والا ہو۔ مگر اس کا یہ سادہ معنی مراد نہیں ہوتا، بلکہ جب یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو اس سے ایک

ایسی شخصیت مراد لی جاتی ہے جو کائنات میں ہمہ وقت ہر جگہ موجود ہو اور ہمہ وقت ہر چیز کو دیکھتی ہو، سوال یہ ہے کہ کیا نبی کریم ﷺ کی ذات اس معنی کے لحاظ سے حاضر وناظر ہے؟

ایک اہم نکتہ:

اس مسئلہ پر غور کرنے سے قبل ایک اہم نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہئے، وہ یہ کہ حاضر وناظر کا جو مفہوم اوپر عرض کیا گیا ہے اور اسی معنی کو لے کر نبی کریم ﷺ کے ''حاضر وناظر'' ہونے میں دیوبندی و بریلوی حضرات کا اختلاف بھی ہے، اس معنی ومفہوم کے لحاظ سے قرآن مجید ''حاضر وناظر'' ہونا، اللہ تعالیٰ کی صفت قرار دیتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُم﴾ (حدید:۴)

(کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو)

یہ اللہ کے حاضر ہونے کی دلیل ہے، اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْن﴾

(اللہ ان چیزوں سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو)

بعض جگہ بصیر کا لفظ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے، اور ایک جگہ فرمایا:

﴿لاَ يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ﴾

(زمین وآسمان میں کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں) (سبا:۳)

یہ اللہ کے ناظر ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ طے ہے کہ اللہ کی کسی صفت کو اسی معنی ومفہوم کے لحاظ سے کسی اور کے لیے ثابت ماننا شرک ہے۔ اسی لیے توحید خداوندی کا مفہوم ہی علماء نے یہ بتایا ہے۔

اللہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال

میں، نہ احکام میں۔[1]

''یگانہ است ہم درذات وہم درصفات وہم درافعال ہیچ کس رادر ہیچ امر باوے شرکت نیست۔[2]

(اللہ ایک ہے ذات میں بھی، صفات میں بھی، افعال میں بھی کوئی شخص کسی چیز میں بھی اس کا شریک نہیں ہے)

ان عبارات سے واضح ہوا کہ اللہ کی صفات بھی اس کی ذات کی طرح یکتا ہیں کوئی مخلوق اس کی صفات میں بھی اس کے ساتھ شرکت نہیں رکھتی۔ اس تفصیل کے بعد اصل بات کی طرف آیئے کہ جب ''حاضر وناظر'' ہونا، اللہ کی صفت ہے تو یہ صفت کسی اور کی اس معنی ومفہوم کے لحاظ سے کیسے ہوسکتی ہے؟

اس نکتہ سے خود ہی واضح ہوگیا کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ کی طرح ''حاضر وناظر'' جاننا و ماننا صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم مختصر طور پر دلیل سے یہ ثابت کریں گے، پھر اختصار ہی سے دوسرے نظریہ والوں کی دلیل پر بھی غور کریں گے۔

دلائل کی روشنی میں:

اس سلسلہ میں اولاً چند احادیث کا ذکر کرتا ہوں، پھر ان سے جو سبق مل رہا ہے اس کی جانب اشارہ کروں گا۔

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) ایک غزوہ میں حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، جب واپس ہوئے تو مدینہ کے قریب میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نئی نئی شادی کیا ہوں، آپ نے فرمایا کہ تم نے شادی کرلی ہے؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا: کنواری سے یا ثیبہ سے؟ عرض کیا کہ ثیبہ سے (یعنی ایسی عورت سے جو پہلے کسی سے بیاہی گئی ہے، آپ نے فرمایا کہ کنواری سے کیوں نہیں کیا؟[3]

---

(۱) بہار شریعت ۱/۳ (۲) مالابدمنہ ص:۳ (۳) مشکوۃ: ۲۶۷

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کون ہے؟ حضرت جابرؓ نے عرض کیا ''میں'' آپ ﷺ نے پھر کہا ''میں میں''؟ گویا آپ نے اس جواب کو برا سمجھا، (کیوں کہ ''میں'' کہنے سے آنے والے کا علم نہیں ہوتا، نام بتانا چاہئے)۔(۱)

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ نے ان کے بدن یا کپڑے پر پیلے رنگ کا اثر دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے شادی کر لی ہے، (یعنی یہ عطر کا رنگ ہے جو شادی کے موقع پر لگایا گیا ہے)۔(۲)

(۴) فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے مکہ کی طرف نکلنے سے پہلے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے کفار قریش کو ایک خط لکھا تھا۔ جس میں نبی کریم علیہ السلام کا ارادہ کفار پر ظاہر کر دیا تھا، اگر چہ جبرئیل امین علیہ السلام کے اللہ کی طرف سے آ کر آپ ﷺ کو یہ بتا دینے سے آپ نے اس خط کو بعض صحابہ کو روانہ کر کے ضبط کر لیا تھا۔ مگر اس سے قبل آپ ﷺ کو نہ خط لکھنے کا علم ہوا، نہ لکھنے والے کا پتہ چلا، یہ واقعہ بخاری کتاب المغازی میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے(۳)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ:

''اے عائشہ! مجھے تیرے بارے میں ایسی ایسی بات پہنچی ہے، اگر تو اس سے بری ہے تو اللہ تیری برأت ظاہر کرے گا اور اگر تجھ سے گناہ ہو گیا ہے تو اللہ سے استغفار کر اور توبہ کر۔''(۴)

---

(۱) مشکوۃ :۴۰۰ (۲) مشکوۃ:۲۷۸ (۳) بخاری کتاب المغازی:۴۲۷ (۴) بخاری، مغازی، باب حدیث الافک:۵۹۶/۲

یہ چند احادیث ''ذخیرہ حدیث'' سے بطور ''نمونہ از خروارے'' پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی حدیث بتا رہی ہے کہ حضرت جابر کی شادی ہوئی، مگر حضور ﷺ ان کی شادی میں حاضر نہیں تھے اور نہ اس منظر کو دیکھ رہے تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا شادی کرلی؟ پھر یہ بھی پوچھا کہ باکرہ سے یا ثیبہ سے؟ اگر آپ ﷺ حاضر و ناظر تھے تو آپ کیوں پوچھتے؟

دوسری حدیث میں حضرت جابرؓ آپ کے دراوزے پر موجود ہیں، مگر آپ کو معلوم نہیں کہ کون دروازے پر ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا تو حضرت جابرؓ نے بتایا کہ میں ہوں، اس پر بھی آپ کو چوں کہ معلوم نہ ہوا کہ کون ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس جواب پر ناگواری ظاہر کی۔ اگر آپ حاضر و ناظر تھے تو آپ کو دروازے پر کون ہیں، اس کا علم نہ ہوتا؟

اسی طرح تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کی شادی ہوگئی، مگر آپ کو علم نہ ہوا، چوتھی اور پانچویں حدیث سے معلوم ہوا کہ حاطبؓ کا خط لکھنا، آپ کو معلوم نہ ہوا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بری ہونا، اللہ کے بتانے تک آپ کو معلوم نہ ہوا، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ہدایت کی کہ اگر تم سے غلطی ہوگئی ہو تو توبہ کرلو۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر ان سب جگہوں پر آپ ﷺ حاضر تھے اور وہاں کے حالات کے آپ ناظر بھی تھے تو آپ کو یہ سب باتیں پہلے ہی سے معلوم کیوں نہ ہوئیں؟

غرض ان احادیث سے واضح ہوا کہ آپ ہر جگہ نہ حاضر ہوتے ہیں، نہ ہر چیز کے ناظر ہوتے ہیں۔ ہاں جب خدا چاہتا ہے تو بہت سی باتیں آپ کو بتا دیتا ہے۔

قرآن میں ''شاہد'' کا معنی:

اس کے بعد یہ بھی قابل ملاحظہ ہے کہ بعض لوگ جو حضور ﷺ کو ''حاضر و ناظر''

کہتے ہیں وہ قرآن میں مذکور آپ کی صفت ''شاہد'' سے استدلال کرتے ہیں، قرآن نے ایک جگہ فرمایا:

﴿اِنَّا اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِداً﴾[احزاب:۴۵]

(یعنی ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے)

اس آیت میں شاہد کے معنی گواہ کے ہیں، اس سے بعض لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ حاضر و ناظر ہیں، کیونکہ گواہی کے لیے واقعہ کے موقعہ پر حاضر ہونا اور اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھنا ضروری ہے۔ جب آپ تمام لوگوں کے بارے میں گواہی دینے والے ہیں تو سب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

مگر یہ استدلال بالکل غلط ہے، ایک تو اس لیے کہ اگر گواہ ہونے کے لیے حاظر و ناظر ہونا ضروری ہے تو قرآن نے امت محمدیہ کو بھی شاہد و گواہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿لِتَکُوۡنُوۡا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾[البقرۃ:۱۴۳]

کیونکہ وہ بھی دوسری امتوں کے خلاف اور نبیوں کے حق میں قیامت کے دن گواہی دے گی، تو کیا کوئی عقل منداس آیت کی رو سے پوری امت محمدیہ کو ''حاظر و ناظر'' مان سکتا ہے؟

دوسرے اس لیے کہ شاہد و گواہ ہونے کے قابل وثوق ذرائع سے علم ہونا کافی ہے، حاضر و ناظر ہونا ضروری نہیں۔ جو شخص کتب فقہ سے رجوع کرے گا اس کو اس کی تفصیلات ان میں مل جائیں گی۔ مثلاً فقہ حنفی کی معروف و مستند کتاب مختصر القدوری میں ہے کہ نسب، موت، نکاح، جماع اور تقرر قاضی کی شہادت بلا دیکھے بھی جائز ہے اس شرط سے کہ قابل اعتبار آدمی نے خبر دی ہو۔[۱]

اور درمختار میں لکھا ہے کہ دس چیزوں کی شہادت بلا دیکھے جائز ہے۔ ان میں

(۱) قدوری:۲۵۱

سے پان چیزیں وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ اور پانچ چیزیں یہ ہیں، غلام کو آزاد کرنا، ولاء، مہر، وقف اور کسی کے قبضہ میں کچھ ہونا سوائے غلام کے۔ (۱)

حاصل یہ کہ نبی کریم ﷺ کے شاہد ہونے سے حاضر وناظر ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں اور آپ کے شاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی امتیں قیامت کے دن جب اپنے نبیوں کے بارے میں یہ کہیں گی کہ انہوں نے ہمیں پیغام نہیں پہنچایا تو امت محمد یہ گواہی دے گی کہ یہ جھوٹے ہیں۔ نبیوں نے پیغام پہنچایا تھا۔ اس پر حضور اکرم ﷺ امت کے حق میں گواہی دیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ بھی اور آپ کی امت بھی نبیوں کے حق میں گواہی دیں گے، اور اس شہادت کی بنیاد وحی الٰہی ہے۔

حاصل یہ کہ نبی کریم ﷺ کو اس معنی کر ''حاضر وناظر'' ماننا جس معنی کر اللہ کو ''حاضر وناظر'' مانتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ احادیث اس کا رد کرتی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو بہت سے امور آپ کو بتا دیتے ہیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ہر جگہ حاضر اور ہر چیز کے ناظر ہیں۔

علم غیب

عالم الغیب خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہے؟ دیوبندی نقطۂ نظر یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔ اور بریلوی لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ نبی کریم ﷺ بھی عالم الغیب ہیں۔ مگر دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی ان دونوں گروہوں کا اختلاف شدید ہے۔ اس مسئلہ میں صحیح بات تک رسائی کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ علم غیب کی حقیقت واصلیت کیا ہے؟

---

(۱) ردالمختار: ۵/۴۷۰

علم غیب کی حقیقت:

علماء نے اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔ہم یہاں اختصار کے ساتھ بقدر ضرورت کلام کرتے ہیں۔غیب کی تفسیر کرتے ہوئے مشہور مفسر علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

"الغیب فی الاصل مصدرغابت الشمس وغیرهااذا استترت عن العین واستعمل فی الشی الغائب الذی لم تنصب له قرینة"(۱)

غیب اصل میں "غابت الشّمس" کا مصدر ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ سورج آنکھوں سے پوشیدہ ہوجائے اور یہ (لفظ غیب) اس پوشیدہ چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے،جس کے لیے کوئی قرینہ یعنی دلیل قائم نہ ہو۔

علامہ قسطلائی شارح بخاری فرماتے ہیں:

"ومایدرک بالدلیل لایکون غیباً"(۲)

(جو چیز دلیل سے معلوم ہوجائے وہ غیب نہیں ہے)

ان بیانات کا حاصل وخلاصہ یہ ہے کہ جب غیب کا لفظ استعمال میں آتا ہے تواس کے معنی ہیں وہ چیز جو نظروں سے پوشیدہ ہواوراس پر کسی قسم کی دلیل بھی نہ ہواور جس پوشیدہ چیز پر دلیل قائم ہو،اوراس دلیل سے اس پوشیدہ بات وچیز کا علم ہوجائے ،اس کو غیب نہیں کہتے ،جیسے حواس کے ذریعہ کسی مخفی بات کا علم، تجربہ سے کسی بات کا علم، یا کسی کے بتانے سے کسی مخفی بات کا علم، یہ سب علم غیب نہیں ہے۔کیوں کہ یہاں قرینہ ودلیل اور واسطہ قائم ہے۔

علامہ عبدالعزیز فرہاریؒ "شرح شرح عقائد" میں علم غیب کی تعریف بتانے کے بعداسی بات کوفرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱)روح المعانی:۱۰/۲۰(۲)ارشادالساری شرح بخاری:۱/۲۹۶

"وبهذالتحقيق اندفع الاشكال فى الامورالتى يزعم انهامن الغيب وليست منه لكونها مدركةً بالسمع والبصر والضرورة اوالدليل" (۱)

(ترجمہ: مذکورہ بالاتحقیق سے ان چیزوں کے بارے میں جواشکال ہوتا تھا وہ دفع ہوگیا۔ جن کوغیب کا گمان کرلیا گیا ہے، حالانکہ وہ غیب نہیں، کیوں کہ وہ کان، آنکھ یابداہت یادلیل سے معلوم ہوئی ہیں۔

اسی طرح علامہ آلوسی نے فرمایا کہ مختلف ذرائع واسباب سے جوعلم حاصل ہوتا ہے وہ علم غیب نہیں، کیوں کہ وہ اسباب کے واسطے سے ہے۔ (۲)

حاصل یہ ہے کہ علم غیب وہ ہے جوبغیر کسی واسطہ وذریعہ کے حاصل ہو، نہ حواس کا واسطہ ہو، نہ اپنے تجربے کا واسطہ ہو، نہ کسی انسان، فرشتہ، جن یا خدا کا واسطہ ہو، ظاہر ہے کہ ایسا علم توصرف اللہ ہی کوحاصل ہے جس میں کسی چیز کا واسطہ وذریعہ نہیں ہے، باقی مخلوق کو جوعلم حاصل ہوگا وہ کسی نہ کسی واسطہ وذریعہ وسبب سے ہوگا۔ خود حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جوعلم حاصل ہوتا ہے وہ اللہ کے بتانے اور معلوم کرانے سے ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب صرف اللہ کوحاصل ہے، کسی مخلوق کونہیں۔ اورکسی مخلوق کوعلم غیب کا حاصل ہونا ممکن بھی نہیں، کیوں کہ مخلوق کواللہ کے بتائے بغیر غیب کا علم حاصل نہیں ہوسکتا۔

مخلوق کے لیے علمِ غیب ممکن نہیں:

چنانچہ حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ روح المعانی میں بصراحت لکھتے ہیں:

"علم غیب جس کی نفی غیراللہ سے کی گئی ہے وہ ہے جوکسی کوذاتی طور پرحاصل ہو، یعنی اس کے ثابت ہونے میں کسی کا واسطہ نہ ہواور یہ (بلاواسطہ علم کا حاصل ہونا)

(۱) نبراس: ۲۴۳ (۲) روح المعانی: ۱۲/۲۰

زمین وآسمان والوں میں کسی کے لیے بھی عقل باور نہیں کرتی، کیونکہ یہ (مخلوقات) ذات وصفت کے لحاظ سے ممکنات میں سے ہیں اور ممکن ہونا ان کے لیے بلاواسطہ کسی چیز کے ثبوت سے انکار کرتا ہے۔ (یعنی جو ممکن ومخلوق ہے وہ بلاواسطہ علم نہیں پا سکتا) (۱)

غرض یہ کہ علم غیب جس کی تفسیر اوپر آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔ کسی مخلوق کو اس کا حاصل ہونا غیر معقول ونا ممکن بات ہے۔ کیونکہ مخلوق کو جب بھی علم ہوگا تو کسی نہ کسی ذریعہ ووسیلہ سے ہوگا۔ اور حضرات انبیاء واولیاء کو جو مخفی باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ بھی اللہ کے وسیلہ وذریعہ سے معلوم ہوتی ہیں، نہ کہ ذاتی طور پر لہٰذا وہ بھی علم غیب نہیں کہلاتا۔

قرآنی تصریحات:

چنانچہ قرآن مجید علم غیب کو خاصہ باری عز اسمہ، وجل شانہ، قرار دیتا ہے اور غیر اللہ سے شدت کے ساتھ اس کی نفی کرتا ہے۔ تفصیل کے ساتھ دلائل نقل کرنے یہ موقع نہیں۔ لہٰذا یہاں صرف دو تین آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے، قرآن نے فرمایا:

﴿قُلْ لَایَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہ﴾ (نمل:۶۵)

(آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو ہیں وہ غیب نہیں جانتے مگر اللہ (جانتا ہے)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ زمین وآسمانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو غیب کا علم رکھتا ہو، غیب کا علم صرف اللہ کو حاصل ہے۔ نیز قرآن نے خاص طور پر جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایا ہے کہ آپ بھی علم غیب نہیں رکھتے۔

چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

﴿وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لاَ اسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ﴾ [اعراف:۱۸۸]

(اور اگر میں غیب کا علم رکھتا تو بہت سا خیر جمع کر لیتا)

(۱) روح المعانی :۱۱/۲۰

اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی اقدس ﷺ کوغیب کا علم نہیں ہے، اگر آپ کوغیب کاعلم حاصل ہوتا ،آپ کو دنیوی کوئی نقصان ہی نہ ہوتا، آپ پہلے سے اس سے بچاؤ کی تدبیر کر کے، خیر جمع کر لیتے ،مگر سب جانتے ہیں کہ بسا اوقات نبی کریم علیہ السلام کوعلم غیب نہ ہونے کی بنا پر کفار کی طرف سے ایذائیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔غرض یہ کہ غیب کا علم جس کی تعریف او پر گزری، صرف اللہ کو حاصل ہے۔

نقطۂ اختلاف کی تعیین:

مگر یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ دیوبندی اور بریلوی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ذاتی طور پر علم حاصل نہیں، بلکہ اللہ کے ذریعہ و وسیلہ سے حاصل ہوا۔ دیوبندی علماء کا یہ عقیدہ تو ظاہر ہے، بریلوی علماء میں سے مولانا امجد علی رضوی صاحب نے اپنی کتاب ''بہار شریعت'' میں لکھا ہے کہ

''اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیوب پر اطلاع دی، زمین و آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے، مگر یہ علم غیب کہ ان کو ہے اللہ کے دینے سے ہے۔ لہٰذا ان کا علم عطائی ہوا۔ (۱)

نیز عقائد نظامیہ جو مولانا فخر الدین چشتی نظامی کی تصنیف ہے اور اب حکیم ادریس خان بریلوی نے تلخیص و ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے، اس میں لکھا ہے:

''واضح ہو کہ علم غیب کو مستقل طور پر سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا، لیکن اللہ چن لیتا ہے ،اپنے پسندیدہ رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے، تو جسے چاہتا ہے غیب کا علم بھی عطا فرماتا ہے۔ (۲)

اور خود بریلوی طبقہ کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب نے بھی اپنی کتاب ''الدولۃ المکیہ'' میں اس کی صراحت کی کہ آپ کو ذاتی علم حاصل نہیں، بلکہ

(۱) بہار شریعت: ۱۰/۱ (۲) عقائد نظامیہ: ۲۴

عطائی علم حاصل ہے۔

ان حوالجات سے واضح ہے کہ دیوبندی حضرات کی طرح بریلوی حضرات بھی نبی کریم ﷺ کے لیے صرف عطائی علم کے قائل ہیں۔ لہٰذا اس نقطہ پر دونوں طبقوں کا اتفاق ہے، اسی طرح دونوں طبقوں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ آپ کو تمام غیب کی باتیں اللہ تعالیٰ نے نہیں بتادی ہیں، یعنی جتنا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، اتنا ہی علم حضور اکرم علیہ السلام کے لیے نہیں مانتے، بلکہ ایسا ماننے والوں کو بریلوی حضرات کافر کہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا امجد علی رضوی نے ''بہارشریعت'' میں لکھا ہے:

''مساوات (یعنی اللہ کے علم اور نبی کے علم کی برابری) تو جب لازم آئے گی کہ اللہ عزوجل کے لیے بھی اتنا ہی علم ثابت کیا جائے، اور یہ نہ کہے گا مگر کافر ذرات عالم متناہی (محدود) ہیں اور اس کا علم غیر متناہی (غیر محدود)۔''(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ دیوبندی حضرات کی طرح بریلوی لوگ بھی یہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو تمام غیب کی باتیں نہیں بتادی گئیں۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان دونوں میں مسئلہ علم غیب پر جو اختلاف ہے آخر کس نقطہ پر ہے؟ احقر نے جہاں تک غور کیا، یہ سمجھ میں آیا کہ نقطۂ اختلاف دو باتیں ہیں۔

(۲) نبی کریم ﷺ زمین وآسمان کے ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں یا نہیں؟

(۲) آپ کو جو غیب کی باتیں اللہ کی طرف سے معلوم ہوئیں، اس کی بنا پر آپ ﷺ کو عالم الغیب کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

لہٰذا ہم اپنی اگلی بحث کو انہی نقاط پر مرکوز رکھیں گے۔ اب ہم ان میں سے پہلے نقطہ کو زیر بحث لاتے ہیں۔

(۱) بہارشریعت: ۱/۱۱

کیا حضور ﷺ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے؟

کیا حضور اقدس ﷺ کو زمین وآسمان کے ہر ذرہ ذرہ کا علم حاصل ہے؟ بریلوی نقطۂ خیال سے اس کا جواب اثبات میں ہے۔ چنانچہ اوپر "بہار شریعت" کی عبارت ہم نے نقل کی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ زمین اور آسمان کا ہر ذرہ ہر نبی کے پیش نظر ہے، اور دیوبندی علماء کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اگرچہ اللہ کی طرف سے بہت سارے علوم عطا فرمائے گئے ہیں اور غیب کی بہت سی باتوں پر آپ کو مطلع کیا گیا ہے، مگر زمین وآسمان کے ہر ذرہ کا آپ کے پیش نظر ہونا، قرآن وحدیث سے ثابت نہیں؛ بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہے کہ آپ کو ہر ذرہ کا علم نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دیوبندی علماء حضور اقدس ﷺ کو معمولی نظر سے دیکھتے ہیں، نہیں! وہ حضرات تو آپ کو خدا کے بعد سب سے زیادہ علم والا مانتے ہیں۔ چنانچہ دیوبند کے مدرسہ کے مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمان صاحبؒ ایک فتوے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

"وان سیدنا وشفیعنا محمداً ﷺ اعلمُ الخلق وافضلهم ،فمن سوّی بین علمه ﷺ و علم الصبی والمجنون اوعلم احد من الخلائق اوتفوّہ بان ابلیس اللعین اعلم منه ﷺ فهو کافرملعون". (۱)

(یعنی ہمارے سردار وشفیع محمد ﷺ تمام مخلوق میں سب سے زیادہ علم والے اور افضل ہیں، جو شخص آپ ﷺ کے علم کو بچے، مجنون یا مخلوقات میں سے کسی کے برابر بتائے، یا یہ بکواس کرے کہ ابلیس آپ ﷺ سے بڑا عالم تھا، وہ کافر وملعون ہے۔)

غرض دیوبندی حضرات آپ ﷺ کو سب سے بڑا عالم مانتے ہیں؛ مگر اس کے باوجود قرآن وحدیث کے دلائل کی بنا پر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کو کائنات کے

(۱) بحوالہ امداد الفتاویٰ: ۳۲۷/۲

ذرہ ذرہ کا علم نہیں تھا ،اس کے کچھ دلائل تو وہی حدیثیں ہیں جو گزشتہ مضمون ''حاظر وناظر'' کے تحت ہم نے نقل کیے تھے کہ آپ کو بعض باتوں کا علم نہیں تھا۔اس کے علاوہ کچھ اور دلائل بھی رقم کرتا ہوں۔

(۱) ایک نکاح کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کچھ لڑکیاں دف بجا کر اشعار پڑھ رہی تھیں۔انہی اشعار میں ایک مصرعہ یہ بھی پڑھا کہ'' ہمارے میں ایک ایسے نبی ہیں جو کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ

''اس کو چھوڑ دو اور وہ پڑھو جو پہلے سے پڑھ رہی تھیں۔''(۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا کہ حماد بن سلمہ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

'' اس کو چھوڑ دو؛ کیونکہ سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے۔''(۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود نبی کریم علیہ السلام نے اپنے بارے میں اس بات کا انکار کیا ہے کہ آپ ہر چیز جانتے ہیں۔

(۲) بخاری وترمذی میں ایک لمبی حدیث حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک جہاد میں حضرت زید بن ارقمؓ نے منافق عبداللہ بن ابی کو سنا کہ وہ مسلمانوں اور حضور ﷺ کے بارے میں لب کشائی کر رہا ہے ۔حضرت زید نے اس کی خبر حضور اقدس علیہ السلام کو بذریعہ حضرت عمرؓ دی ،اور آپ ﷺ نے اس کی تحقیق کے لیے آدمی بھیجا، منافقین نے انکار کیا اور جھوٹی قسم بھی کھالی ۔اس پر اللہ کے رسول علیہ السلام نے حضرت زید کو جھوٹا سمجھ لیا اور منافقین کو سچا جانا، پھر جب سورۂ منافقون نازل ہوئی تو آپ کو حقیقت معلوم ہوئی۔(۳)

(۱) بخاری:۲/۷۷۳ (۲) فتح الباری:۹/۲۰۳ (۳) بخاری، کتاب التفسیر:۲/۷۲۷

اس حدیث میں حضرت زید کے الفاظ ہیں ''كَذَّبَنِيُ رَسُوُلُ اللّٰهِ وَصَدَّقه'' (یعنی رسول اللہ ﷺ نے مجھے جھوٹا سمجھا اور اس منافق کو سچا سمجھا۔)

غور فرمایئے !اگر ہر ذرہ عالم کا علم آپ کو ہوتا تو اولاً آپ کو منافق کی یہ بات خود ہی معلوم ہوتی، پھر آپ ﷺ کو تصدیق کے لیے آدمی بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز آپ کو علم ہوتا تو آپ حضرت زید کی تکذیب اور منافق کی تصدیق کیوں کرتے؟ معلوم ہوا کہ آپ کو ہر ذرہ ذرہ کا علم نہیں ہے۔

(۳) بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے، جس میں رات میں کسی مردے کو دفن کیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ اس کو کب دفن کیا گیا؟ صحابہ نے بتایا کہ رات میں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں خبر نہ دی؟ عرض کیا گیا کہ ہم نے اس کو رات میں دفن کیا تھا، ہم نے برا سمجھا کہ آپ کو بیدار کریں، پھر آپ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔(۱)

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالی عورت (یا ایک نوجوان) مسجد کی صفائی کرتی تھی، آپ علیہ السلام نے اس کو نہ پایا تو پوچھا کہ وہ کہاں؟ صحابہ نے بتایا کہ وہ مر گئی یا وہ مر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا؟ پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی قبر بتاؤ! چنانچہ صحابہ نے قبر بتائی۔ تو آپ نے نماز پڑھی۔(۲)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کے مرنے، دفن ہونے اور ان کی قبروں کا آپ کو علم نہ تھا۔ آپ کو صحابہ نے بتایا۔

(۵) ایک دفعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں آئے اور کئی سوالات کئے اور آپ نے ان سوالوں کا جواب بھی دیا؛ مگر جب حضرت جبرئیل نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''ماالمسئول عنهاباعلم من السائل''

---

(۱) مشکوۃ: ۱۴۵ (۲) مشکوۃ: ۱۴۵

(کہ سائل (پوچھنے والے) سے زیادہ اس کو نہیں معلوم جس سے پوچھا گیا ہے۔)(۱)
نمونہ کے طور پر چند احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ ورنہ تو اس سلسلہ میں اتنی احادیث ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے۔ ان احادیث پر سرسری نظر ڈالنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ بہت سے امور ایسے تھے جن کو نبی کریم ﷺ نہیں جانتے تھے۔ تو ذرہ ذرہ کا آپ کو علم حاصل ہونا خلافِ تحقیق بات ہے۔

ایک شبہ کا جواب:

بعض لوگ جو ان دلائل کی وجہ سے بے بس ہو جاتے ہیں وہ اپنی بات کو نبھانے کے لیے کچھ عجیب عجیب تاویلوں سے کام لیتے ہیں، ان میں سے یہ ہے کہ حضور اقدس علیہ السلام کو بالکل آخری عمر میں یعنی وفات سے ذرا قبل ہر ہر ذرہ کا علم دیا گیا تھا۔ ممکن ہے کسی کو ان کی تاویل سے شبہ ہو۔ لہٰذا اس پر بھی مختصر کلام کیا جاتا ہے۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:
﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ﴾
جب قیامت کے دن تمام رسولوں کو جمع کر کے پوچھا جائے گا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا تھا؟ تو تمام رسول کہیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں ہے۔) (مائدہ:۱۰۹)
یہ حضرات انبیاء کا جواب قیامت کے دن ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو بعض باتیں بعد انتقال اور روز محشر بھی معلوم نہ ہوں گی۔ اور اس آیت میں جس طرح دیگر انبیاء داخل ہیں، ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ بھی داخل ہیں۔
معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کے دن بھی بعض باتیں معلوم نہ ہوں گی۔
نیز حدیث میں ہے کہ " قیامت کے دن حوض کوثر پر میں ہوں گا، اور میرے پاس جو آئے گا، میں اس کو سیراب کروں گا، البتہ میرے پاس بعض لوگ آئیں گے اور

(۱) مشکوۃ:۱۱

میں ان کو پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ہیں مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا نئی باتیں پیدا کر دی تھیں؟(۱)

یہ واقعہ بھی قیامت کے دن کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امتیوں کی حالت آپ کو اس دن بھی نہ معلوم ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر آپ کو بتایا جائے گا۔ اس تفصیل کے بعد یہ بھی عرض کر دوں کہ نہ صرف ان دنیوی معاملات اور لوگوں کے حالات وکوائف بلکہ بعض حمد وثناء کے مبارک کلمات بھی ایسے ہیں جن کا علم آپ کو صرف قیامت کے دن ہوگا۔ چنانچہ حدیثِ شفاعت میں ہے کہ

''حضرات انبیاء لوگوں سے کہیں گے کہ تم محمد کے پاس جاؤ! لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں اللہ سے اجازت طلب کروں گا، اور مجھے اجازت دی جائے گی۔

اس کے بعد فرمایا: ''**وَيُلْهِمُنِي محامد أحمده بهالاتحضرني الآن**''

(یعنی مجھے حمد کے کلمات الہام والقاء کیے جائیں گے جن کو اب میں اپنے پاس نہیں پاتا۔''(۲)

غور کیجئے کہ جب کچھ حمد وثناء کے کلمات بھی ایسے ہیں جو وہاں ہی القاء والہام ہوں گے، تو یہ دعویٰ کہ آپ کو قبلِ وصال سب چیزوں کا علم دے دیا گیا، حقیقت سے کس قدر دور ہے؟

سرورِ عالم ﷺ کو عالم الغیب کہنا؟

اب آیئے دوسرے نقطۂ اختلاف کی طرف! ہم نے اوپر واضح کیا ہے کہ دیوبندی حضرات کی طرح بریلویت کے علمبردار بھی یہ مانتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کو جو کچھ علم حاصل ہے، وہ اللہ کے عطا فرمانے کا نتیجہ ہے اور یہ بات اوپر واضح

(۱) مشکوٰۃ: ۴۸۷ (۲) مشکوٰۃ: ۴۸۸

ہو چکی ہے کہ علم غیب وہی ہے جو ذاتی طور پر حاصل ہو۔

اس سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ حقیقی معنی کے لحاظ سے نبی کریم ﷺ نہ ہی دیوبندیوں کے پاس عالم الغیب ہیں، نہ بریلویوں کے نزدیک، کیوں کہ حقیقی معنی کے لحاظ سے عالم الغیب وہی ہے جو بلا کسی واسطہ کے ذاتی طور پر علم رکھتا ہو اور ایسا علم آپ کو حاصل نہ ہونے پر دونوں طبقے متفق ہیں، جیسا کہ اوپر حوالے پیش کیے جا چکے ہیں۔

اب اختلاف صرف اس قدر ہے کہ اللہ کی عطا سے آپ کو جو بعض غیب کی باتوں کا علم حاصل ہوا ہے۔ اس کی بناء پر آپ کو عالم الغیب کہنا درست ہے یا نہیں؟ بریلوی لوگ اس کو درست قرار دیتے ہیں اور آپ کے لیے عالم الغیب کا اطلاق ضروری سمجھتے ہیں اور دیوبندی علماء اس کو بھی درست نہیں قرار دیتے۔ دیوبندی حضرات کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے بعض الفاظ سے اس لیے منع کر دیا ہے کہ اس سے شرک کا وہم ہوتا ہے۔ مثلاً حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اپنے غلام و باندی کو

''عبدی اور امتی'' (میرے بندے، میری بندی) نہ کہو تم سب کے سب اللہ کے بندے اور تمہاری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں۔''(۱)

ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ

''تم میں سے کوئی، میرا بندہ، میری بندی ہرگز نہ کہے اور غلام بھی (اپنے آقا کو) میرا رب نہ کہے۔ تم سب اللہ کے مملوک و غلام ہو اور رب تو اللہ ہی ہے۔''(۲)

ان حدیثوں میں اپنے غلام و باندی کو بندہ، بندی کہنے سے اور آقا کو رب کہنے سے صاف طور پر منع کیا ہے، اس کی وجہ علماء نے یہی بتائی ہے کہ غلام کو بندہ کہنے سے آقا کے معبود ہونے کا وہم ہوتا ہے، اسی طرح کسی کو رب کہنے سے اللہ کی صفت ربوبیت میں اسکے شریک ہونے کا واہمہ گزرتا ہے۔ شریعت اس کو بھی ناپسند کرتی ہے۔

(۱) الادب المفرد: ۴۸ (۲) الادب المفرد: ۴۸

اسی طرح مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض و برا آدمی وہ ہوگا جو اپنا نام **"مَلِکُ الاملاک"** رکھے۔ سوائے اللہ کے کوئی مالک نہیں۔ (۱)

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ نام رکھنا حرام ہے۔ اسی طرح اللہ کے مخصوص ناموں سے نام رکھنا حرام ہے۔ جیسا رحمان، قدوس، مہیمن، خالق الخلق وغیرہ۔ (۲)

جب یہ واضح ہوگیا کہ شریعت بعض ناموں سے منع کرتی ہے جن میں شرک کا وہم ہوتا ہو، تو اب یہ بھی واضح ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کو عالم الغیب کہنے سے بھی چوں کہ یہی شرک کا وہم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ اطلاق بھی جائز نہ ہوگا۔

ایک طرف نصوص میں عالم الغیب کا اطلاق اللہ ہی کے لیے ہوا ہے، دوسری طرف غیر اللہ سے اس کی نفی کر کے اس کو خدا کی مخصوص صفت قرار دیا گیا ہے، تو اب تاویل کے ذریعہ اس کا آپ پر اطلاق کرنا شرک کا وہم پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا علماء دیوبند اسی وجہ سے اس کو ناجائز کہتے ہیں۔

مخالفین کے دلائل پر نظر:

اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے، ان لوگوں کے دلائل کا جو نبی کریم علیہ السلام کے لیے ذرہ ذرہ کا علم کا غیب ثابت کرتے ہیں، اختصار کے ساتھ جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

ان لوگوں کی دلیل ایک تو یہ آیت ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَلَّمکَ مَالم تَکُنْ تَعْلَمُ﴾

(اے نبی! اللہ نے آپ کو وہ سب کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے) (نساء :۱۱۳)

یہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ نے خود بتایا ہے کہ آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ

(۱) مسلم شریف: ۲۰۸/۲ (۲) شرح مسلم: ۲۰۸/۲

سب کچھ آپ کو بتا دیا، تو اس میں تمام چیزیں داخل ہوگئیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کا یہی مطلب ہوتا ہے تو قرآن میں اللہ نے ایسا ہی تمام مسلمانوں سے فرمایا ہے:

﴿کَمَا عَلَّمَکُمْ مَالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾

(یعنی جیسے سکھایا تم کو وہ جو تم نہیں جانتے تھے)(بقرہ:۲۳۹)

تو کیا یہاں بھی ''ما'' (جو کچھ) کا یہی معنی لیں گے کہ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ سب سکھایا تو کیا تمام مسلمان بھی ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو جیسے یہاں ''ما'' کا لفظ عام نہیں۔ ایسے ہی پہلے جملہ میں بھی عام نہیں۔ بلکہ مراد آیت کی یہ ہے کہ اے نبی! منصب نبوت کے متعلق جو کچھ ضروری ہے وہ ہم نے آپ کو سکھا دیا ہے۔

ان حضرات کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے اللہ کو بہترین صورت میں دیکھا، اللہ نے پوچھا کہ فرشتے کس بات میں جھگڑا کر رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ آپ ہی بہتر جانتے ہیں، اللہ نے کندھے پر ہاتھ رکھا، پس تمام چیزیں میرے لیے ظاہر ہوگئیں، جو آسمان وزمین میں ہیں''(۱)

مواہب میں حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا کو میرے پاس اٹھالایا گیا۔ پس میں اس کی طرف دیکھ رہا ہوں اور ان تمام چیزوں کی طرف بھی دیکھ رہا ہوں جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔(۲)

مگر ان روایات سے بھی استدلال کرنا کہ آپ ہر ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں۔ صحیح نہیں۔ اولاً تو ان روایات کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔(۳)

دوسرے ان روایات میں بھی ''ما'' سے عموم مراد لینا صحیح نہیں، جبکہ بے شمار روایات سے ثابت ہے کہ آپ کو بہت سے امور دنیویہ کا علم نہ تھا۔ لہٰذا یہاں بھی ''ما''

(۱) مشکوٰۃ:۷۰ (۲) مواہب لدنیہ (۳) دیکھو احکام القرآن مفتی محمد شفیع صاحبؒ:۳/۲

سے مراد زمین وآسمان کے اہم واقعات ہیں، تیسرے حدیث کے الفاظ سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا ،اس وقت زمین وآسمان کوآپ کے لیے منکشف کردیا گیا تھا۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے یہ حالت برقرار رہے۔ اگرایسا ہوتا تو پھر آپ کو بہت سارے ان امور میں دقت پیش نہ آتی جن کی طرف آپ نے توجہ بھی فرمائی۔

غرض یہ کہ ان روایات سے یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ آپ کو ذرہ ذرہ کا علم تھا۔

یادرکھو !عقیدہ کا ثبوت قطعی دلیل سے ہوتا ہے نہ کہ ضعیف خبرواحد سے جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔

مشکل کشا وحاجت روااور مختار کل

اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں کی حاجت روائی ومشکل کشائی فرماتے ہیں اور ساری مخلوق اللہ تبارک وتعالیٰ کی محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ مختار کل ہیں۔مگر کیا اللہ کے علاوہ بھی کوئی مشکل کشا وحاجت روا ومختار کل ہے؟

اس سوال کے جواب میں دیوبندی حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی حاجت روا ومشکل کشا نہیں اور نہ کوئی مختار کل ہے۔اور بریلوی لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرات اولیاء اللہ بھی مشکل کشا ہیں اور حاجت روائی کرنے کی طاقت وقوت رکھتے ہیں ،اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم علیہ السلام کو اور آپ کے واسطے سے اولیاء اللہ کو کائنات میں تصرف کا پورا اختیار دے دیا ہے۔

❁ بریلوی مسلک کی توضیح:

آگے بڑھنے سے پہلے بریلوی مسلک کی وضاحت کردینا ضروری ہے تاکہ آگے بحث کے موقع پر دقت نہ پیش آئے۔ بریلوی مسلک کی مشہور ومعروف

ومستند کتاب ''بہارشریعت'' میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ:

''حضور اقدس ﷺ اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور ﷺ کے تحت تصرف کر دیا گیا، جو چاہیں کریں، جیسے چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں، تمام جہاں میں ان کے حکم کا پھیرنے والا کوئی نہیں ــــــــ آگے لکھتے ہیں: ''ملکوت السمٰوات والارض'' حضور کے زیرفرمان جنت ونار کی کنجیاں دست اقدس میں دے دی گئی ہیں، رزق وخیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں، دنیا اور آخرت حضور کی عطا کا ایک حصہ ہے۔ احکام تشریعیہ حضور کے قبضہ میں کر دیے گئے کہ جس پر جو چاہیں حرام فرما دیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرما دیں۔''(۱)

اور اسی کتاب میں حضرات اولیاء اللہ کے متعلق لکھا گیا ہے:

''اولیاء کرام کو اللہ عزوجل نے بہت بڑی طاقت دی ہے، ان میں جو اصحابِ خدمت ہیں، ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے، سیاہ وسفید کے مختار بنا دیے جاتے ہیں، یہ حضرات نبی ﷺ کے سچے نائب ہیں، ان کو اختیارات وتصرفات حضور کی نیابت میں ملتے ہیں۔''(۲)

ان عبارات سے بریلوی مکتبِ فکر کا اولیاء اللہ وآنحضرت ﷺ کے بارے میں عقیدہ وضاحت وصراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ حضرات، سیاہ وسفید کے مالک اور کائنات میں ہر طرح کے تصرف کے مجاز ومختار ہیں تو حاجت روائی ومشکل کشائی بھی ان کی صفت ہے۔

مسلکِ دیوبند کی ترجمانی:

اس کے بعد علماء دیوبند کا مسلک بھی واضح کر دینا ضروری ہے تا کہ کوئی غلط وہم

(۱) بہارشریعت: ۱/۱۶ (۲) بہارشریعت: ۱/۵۵

نہ ہوجائے۔علماء دیوبند حضرات انبیاء،حضرات اولیاء اللہ کو بڑی عظمت ومحبت کی نظر سے دیکھتے ہیں اوران کی عظمت ومحبت کوایمان کا جز ولازم خیال کرتے ہیں ؛مگران کومختار کل اورمشکل کشانہیں مانتے۔یعنی اللہ کی صفات بندوں کو بانٹنے کے وہ قائل نہیں۔حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب خلیفہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''اولیاء اکرام اورصوفیاء عظام کا طبقہ مسلک علماء دیوبند کی رو سے اُمت کے لیے روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے،جن سے ان کی امت کی باطنی حیات وابستہ ہے جواصل حیات ہے،اس لیے علماء دیوبندان کی محبت وعظمت کوتحفظ ایمان کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔مگرغلو کے ساتھ اس محبت وعقیدت میں انہیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے،ان کی تعظیم ضروری سمجھتے ہیں ؛لیکن ان کے معنی عبادت کے نہیں لیتے کہ انہیں یاان کی قبروں کوسجدہ ورکوع یاطواف یانذر یامنت وقربانی کامحل بنالیں،وہ ان کی منور قبروں سے استفادہ اورفیض حاصل کرنے کے قائل ہیں ؛لیکن انہیں مشکل کشا اوردافع البلاء والوباءنہیں سمجھتے ،کہ وہ صرف شان کبریائی ہے۔''(۱)

اس سے واضح ہوا کہ علماء دیوبندانبیاء واولیاء کی تعظیم ومحبت کرتے ہیں ؛مگران کوخدا جیسانہیں سمجھتے ، صفات خداوندی سے ان کو متصف کرنے کی جرأت نہیں کرتے ۔لہٰذا وہ ان کومشکل کشاومختار کل نہیں مانتے۔

اب ہمیں قرآن وحدیث کے دلائل سے یہ دیکھنا ہے کہ ان دونوں میں سے کس کا مسلک صحیح ہےاوراسلام کی تعلیم کے مطابق ہے۔

❁ قرآن کا فیصلہ:

(۱) پہلے قرآن کو لیجئے !اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کوحکم دیا ہے کہ آپ لوگوں سے علی الاعلان یہ کہدیں کہ

(۱)علماء دیوبند کا دینی رُخ:۱۲۹تا۱۳۰

﴿لاَاَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰہِ وَلاَاَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلاَ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلاّمَایُوْحیٰ اِلَیَّ﴾ (انعام:۵)

(ترجمہ: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو اس وحی کا تابع ہوں۔ جو مجھ پر اترتی ہے)

اس آیت کی تشریح وتفسیر میں مولانا نعیم الدین صاحب رضوی مرآدبادی لکھتے ہیں کہ:

''کفار کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سید عالم ﷺ سے طرح طرح کے سوالات کیا کرتے تھے، کبھی کہتے کہ آپ رسول ہیں تو ہمیں بہت سی دولت اور مال دیجئے کہ ہم کبھی محتاج نہ ہوں، ہمارے لیے پہاڑوں کو سونا بنادیجئے ــــ کچھ اور کفار کے مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:ــــ ان تمام باتوں کا اس آیت میں جواب دیا گیا ہے ــــ کہ آپ فرمادیجئے کہ میرا دعوی یہ تو نہیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں جو تم مجھ سے مال ودولت کا سوال کرو۔ (۱)

آیت پاک اور اس کی مذکورہ بالا تفسیر سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اللہ نے اپنے خزانوں پر اختیار تصرف نہیں دے دیا ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے وضاحت وصراحت سے خود نبی کریم ﷺ کی زبانی اس کی نفی کردی ہے اور آخر میں یہ بھی بتادیا ہے کہ آپ تو اللہ کے حکم کے تابع ہیں جو وحی کے ذریعہ آپ کو بتایا جاتا ہے، آپ کو کلی اختیارات اور ہر طرح کی قدرت نہیں دے دی گئی ہے۔ اور اسی طرح کی بات قرآن میں حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کے بارے میں بھی بصراحت بتائی ہے۔ (سورۂ ہود:۳۱)

(۱) خزائن العرفان:۱۹۴

جب حضرت نوح علیہ السلام اور خود جناب رسالت مآب نبی آخرالزماں ﷺ کے بارے میں قرآن نے یہ بتایا ہے تو اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کے بارے میں کون گمان کرسکتا ہے کہ وہ مختارکل ہوسکتے ہیں ،اورسیاہ وسفید ان کے تحت تصرف کردیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ جب نبی کو بھی قرآن یہ حق نہیں دیتا ہے تو غیر نبی کو کس طرح حق مل سکتا ہے؟

(۲) ایک جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ کفار نبی کریم ﷺ سے کہتے ہیں کہ قیامت کا یا عذاب کا جو وعدہ آپ کرتے ہیں ،وہ کب آئے گا؟ آپ جلد اس عذاب کو لائیے !یہ ذکر کر کے اللہ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ اس کا جواب یوں دیجئے۔

﴿لاَ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرّاً وَ لاَنَفْعاً اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ .﴾ (یونس:۴۹)

(میں اپنی ذات کے لیے نقصان یا نفع کا مالک نہیں مگر جتنا کہ اللہ چاہے)

یہی بات بعینہٖ سورہ اعراف (آیت:۱۸۸) میں بھی موجود ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کائنات میں تصرف کا اختیار نبی کریم ﷺ کو نہیں دیا گیا اور نہ آپ نفع ونقصان کے مالک ہیں ۔ظاہر ہے کہ جب کفار کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ آپ عذاب لائیے! قیامت قائم کیجئے! تو اگر آپ کو کائنات میں تصرف کا اختیار خدا کی عطا سے ہی سہی حاصل ہوتا تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل کرنے سے ان کا جواب کیسے ہوجاتا؟ جواب تو اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس کا اختیار نہ ذاتی طور پر حاصل ہوا اور نہ اللہ کی عطا سے حاصل ہو۔

الغرض معلوم ہوا کہ اللہ نے آپ کو نفع ونقصان کا مالک،کائنات میں تصرف کا مجاز،اور تمام خزانوں کا حامل نہیں بنادیا ہے۔قرآن اس کی نفی کرتا ہے۔

(۳) قرآن مجید میں رزق کے بارے میں بے شمار آیات ہیں،جن میں رزق

کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے اور بتایا ہے کہ رزق بے حساب دینا، کسی کو کم کسی کو زیادہ دینا، یہ سب اللہ کا کام ہے۔ یہاں ان آیات سے چند کے صرف حوالہ پیش کرتا ہوں۔

رعد:۲۶، نحل:۷۱، بنی اسرائیل:۳۰، قصص:۸۲، عنکبوت:۶۲، روم:۳۷، سبا:۳۶۔۳۹، زمر:۵۲، شوریٰ:۱۲، بقرہ:۲۱۲، نور:۳۸ وغیرہ ان حوالوں کو قرآن میں دیکھ لیں۔ صاف طور پر معلوم ہوگا کہ رزق کے دینے، کم کرنے، زیادہ کرنے کو اللہ نے صرف اور صرف اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ نیز دیگر آیات میں مخلوق سے نفی کی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ﴾ (سبا: ۲۴)

(آپ (ان سے پوچھئے) کون تمہیں رزق دیتا ہے، آسمانوں اور زمین سے آپ خود بتا دیجئے کہ اللہ۔)

اور سورۂ فاطر میں ہے کہ اللہ نے سوال کیا ہے کہ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے؟ جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ (فاطر:۳)

یعنی کوئی ایسا نہیں۔ اس کے بعد کہاں گنجائش ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ نبی کریم ﷺ ہی کے دربار سے رزق تقسیم ہوتا ہے۔

(۴) قرآن میں ایک جگہ نبی کریم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

﴿یآ اَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرضاتَ اَزْوَاجِکَ﴾. (تحریم:۱۰)

(اے نبی! (علیہ السلام) آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں، جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کی ہے، اپنی بیویوں کی مرضی کی خاطر)

یہ آیت ایک خاص موقعہ پر نبی کریم ﷺ کے ایک چیز کو اپنے اوپر حرام کر لینے

یعنی نہ کھانے کی قسم کھا لینے پر نازل ہوئی۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو بھی یہ اختیار نہ تھا کہ شرعی احکامات میں اپنی طرف سے تبدیلی فرما دیں۔ یہاں حالانکہ آپ نے دین میں تبدیلی نہیں کی تھی کہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام قرار دے دیا ہو؛ بلکہ آپ نے اپنی ذات کے لیے اس کو حرام کر لیا تھا۔ جو دراصل حلال کو حرام کرنا نہیں بلکہ حلال سے پرہیز کرنا ہے ،اس پر بھی جب آپ پر عتاب ہوا تو غور فرمائیے کہ شریعت کو تبدیل کرنے کا آپ کو اختیار ہو سکتا ہے؟

یہ چند آیات ہیں، جو بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ دیوبندی علماء جو کہتے ہیں کہ مختار کل اور کائنات میں متصرف صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ اسی طرح نفع و نقصان کی مالک ذات صرف اللہ ہی کی ہے، لہٰذا مشکلات کو حل کرنا اور حاجت روائی کرنا بھی صرف اسی کے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہے۔ یہ صحیح ہے۔

حدیثِ نبوی کا فیصلہ:

احادیث میں نبی کریم ﷺ نے امت کو اسی کی تعلیم دی کہ جو مانگنا ہے اللہ سے مانگو! کسی حدیث میں بھی یہ نہیں ملتا کہ آپ نے کسی صحابی کو بھی یہ تعلیم فرمایا ہو کہ اللہ کے بجائے میرے سے مانگو، میں مختار کل ہوں، نفع و نقصان کا مالک ہوں، اور کائنات میں تصرف کا اختیار رکھتا ہوں۔ نہیں، کبھی نہیں۔ بلکہ ہمیشہ یہی سکھایا ہے کہ اللہ سے مانگو۔ چند احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

''اِسۡتَعِنۡ بِاللّٰهِ'' (کہ اللہ سے مدد چاہو)(۱)

(۲) حضرت ابن عباس کو نبی کریم ﷺ نے نصیحت فرمائی، اس میں یہ بھی فرمایا کہ جب مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو، پھر فرمایا کہ اگر

---

(۱) مشکوۃ:۴۵۲ (۲) مشکوۃ:۴۳۵

پوری اُمت تجھ کو نفع دینا چاہے تو نہیں دے سکتی ؛مگر جتنا کہ اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے،اور اگر وہ سب تجھ کو نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے ؛مگر جتنا کہ اللہ نے تیرے حق میں لکھ دیا ہے۔(۱)

ان احادیث میں نبی کریم علیہ السلام نے اُمت کو یہی تعلیم دی ہے کہ ہر معاملہ میں اللہ سے سوال کرو،اسی سے مدد چاہو۔اور یہ بھی بتا دیا کہ پوری امت یعنی تمام لوگ مل کر بھی نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں ،نہ نقصان،اور پوری اُمت سے مراد صرف عام لوگ ہی نہیں ؛ بلکہ ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں کہ مراد تمام مخلوق خاص وعام انبیاء واولیاء اور ساری اُمت ہے۔(۲)

معلوم ہوا کہ حدیث نفع ونقصان کی مالک صرف اللہ کو قرار دیتی ہے اور اسی سے اپنی مرادیں وحاجتیں مانگنے کی تعلیم دیتی ہے۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے ہر ایک اپنی سب حاجتیں اپنے رب سے مانگے حتی کہ جوتوں کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ ہی سے مانگے اور حضرت ثابت بُنانی سے مرسلاً مروی ہے کہ حضور اکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ نمک کی ضرورت ہو تو بھی اللہ سے مانگے''۔(۳)

غور فرمائیے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام تمام مسلمانوں کو تعلیم دے رہے ہیں کہ جب بھی تمہیں کوئی ضرورت پڑے تو اللہ ہی سے مانگو،حتی کہ نمک اور تسمہ جیسی چیزیں بھی اسی سے مانگو۔

نیز آپ نے اپنے ارشادات میں بتایا ہے کہ ہر چیز کا اختیار کلی صرف اللہ کو ہے مجھے کوئی اختیار نہیں۔مثلاً بخاری شریف میں ہے کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کا نام لے لے کر فرمایا:''اے فلاں ،اے فلاں'' **لا اُغنی عنکم من اللّٰہ شیئاً** ''(کہ

(۱)مشکوۃ:۴۳۵ (۲)مرقات:۱۹/۵ (۳)مشکوۃ:۱۹۶

میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔)(۱)

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو مجھے اللہ کا شریک بناتا ہے؟

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا نہیں؛ بلکہ صرف وہ جو اللہ چاہے۔(۲)

اس حدیث نے بتادیا ہے کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے، نہ کہ وہ جو حضور چاہیں۔اور اللہ کے ساتھ مشیت میں آپ کو شریک کرنا شرک ہے۔

غور کیجئے کہ اگر حضور کو اختیارات اللہ نے دے دیئے ہوتے تو آپ ﷺ ایسا کیوں فرماتے؟

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ آپ جتنی مرتبہ میرے پاس آتے ہیں۔اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّابِاَمْرِ رَبِّکَ﴾ (مریم:۶۴)

(ترجمہ: ہم تمہارے رب کے حکم کے بغیر نہیں آتے)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضور کے مطالبے کا جواب تھی۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی خواہش تھی کہ جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس زیادہ آئیں ،مگر آپ کو اس خواہش کے پورا کر لینے کا اختیار نہیں تھا۔آپ کو جواب دے دیا گیا کہ فرشتے بغیر اللہ کے حکم کے آپ کے پاس نہیں آسکتے۔

غور کیجئے اگر آپ کو پوری کائنات میں تصرف کا اختیار دے دیا گیا تھا تو جبرئیل کو آپ نے حکم کر کے کیوں نہیں بلا لیا؟ پھر درخواست کی کیا ضرورت تھی

(۱) بخاری کتاب التفسیر:۷۰۲/۲ (۲) الادب المفرد:۲۷۴ (۳) کتاب التوحید بخاری:۶۹۱/۲

اور درخواست پر بھی آپ کو یہ جواب دیا گیا کہ اللہ کے حکم کے بغیر فرشتے آپ کے پاس نہیں آسکتے۔

جب آپ ﷺ کا معاملہ یہ ہے تو اولیاء اللہ کا معاملہ کیا ہوگا؟ کیا کوئی گمان کرسکتا ہے کہ اولیاء اللہ صاحب اختیار وتصرف ہوتے ہیں۔مشکل کشا ہوتے ہیں؟

اور ملاحظہ کیجئے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی،تو قریش نے حضرت اسامہ بن زید کو اس کی سزا معاف کرانے کے لیے سفارش کرنے بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ کے مقرر کردہ حدوود میں شفارش کرتے ہو؟ پھر فرمایا کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کے ہاتھ کاٹوں گا۔(۱)

محبوب سُبحانی کا زرین ارشاد:

آخر میں حضرت شیخ محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہ، کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں،آپ فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ کے موحّد بنو،اس کے دروازے سے مت ٹلو،اسی سے مانگو اور کسی سے مت مانگو، اسی سے مدد چاہو اور غیر سے مدد نہ چاہو،اسی پر بھروسہ کرو اور کسی پر بھروسہ مت کرو۔(۲)

ایک اور مقام پر مخلوق کا عاجز ہونا، بڑے بلیغ انداز میں بیان فرماتے ہیں:

''انکو (اولیاء اللہ کو) معلوم ومحقق ہو چکا کہ مخلوق عاجز ومعدوم ہے، نہ ان کے ہاتھ میں ہلاکت ہے، نہ سلطنت، نہ ان کے قبضہ میں تونگری ہے، نہ افلاس، اور نہ نقصان ہے، نہ نفع، ان (اولیاء) کے نزدیک بجز خدائے برتر وبزرگ کے نہ کوئی بادشاہ ہے، نہ قدرت والا اور نہ جلانے اور مارنے والا، اس کے سوا نہ کوئی دینے والا ہے، نہ کوئی روکنے والا، نہ فائدہ یا نقصان پہنچانے والا۔''(۳)

(۱)مشکوٰۃ:۲۱۴ (۲)خطبات غوثیہ مجلس ص:۴۷۔۳۶۸ (۳)خطبات غوثیہ مجلس:۵۵۴

خطبات غوثیہ جو آپ کے مواعظ ومجالس کا مجموعہ ہے، اس میں بے شمار موقعوں پر حضرت علیہ الرحمہ نے اس کا ذکر کیا ہے کہ مخلوق محتاج ہے۔صرف اور صرف اللہ مختار کل ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

اس مسئلہ زیر بحث میں قرآن وحدیث کا اور علماء کا جو نقطۂ نظر تھا، وہ تو آپ کے سامنے آچکا ہے۔اب اس مسئلہ میں جن لوگوں نے اس کے خلاف یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ اور آپ کے طفیل میں حضرات اولیاء اللہ ہر چیز کی طاقت وقدرت رکھتے ہیں، وہ حاجت رواو مشکل کشا ہوتے ہیں اور کائنات میں تصرف کا حق تعالیٰ نے ان کو دے دیا ہے، ان کی اس غلطی کی وجہ بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

ان لوگوں کو جو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے وہ حضرات انبیاء کے معجزات اور حضرات اولیاء اللہ کی کرامات کی وجہ سے ہے، اس میں شک نہیں کہ معجزات انبیاء وکراماتِ اولیاء حق ہیں، مگر یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اختیار میں دے دیا ہے۔ بلکہ معجزات اور کرامات دراصل اللہ ہی کے کام ہیں، جو نبی یا ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں، نبی یا ولی کو اختیار نہیں کہ جو معجزہ وکرامت چاہے خود دکھادے۔قرآن میں نبی کریم ﷺ کو کہا گیا: ﴿وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾[الانفال:۱۷]

(جب کافروں پر آپ نے مٹی پھینکی تھی (جس سے یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ تمام کفار کی آنکھوں میں اس کے ریزے پڑ گئے اور وہ شکست کھا گئے) تو یہ آپ نے نہیں؛ بلکہ اللہ نے پھینکی تھی''۔) اس آیت کا مطلب علماء نے یہ بتایا ہے کہ پھینکنے کا یہ کام کسباً تو آپ نے کیا؛ مگر حقیقت میں اس فعل کا خالق اللہ ہی ہے۔(۱)

نیز قرآن میں ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾[الرعد:۳۸]

(۱) دیکھو شرح فقہ اکبر ملا علی قاری:۶۰، روح المعانی:۹/۱۸۵، قرطبی:۱۷/۳۸۵

(کسی رسول کے اختیار میں نہیں کہ کوئی نشان (معجزہ) لے آئے مگر خدا کے حکم سے)

معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم کے بغیر نبی اپنی مرضی واختیار سے معجزہ ظاہر نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کرامت کا مسئلہ ہے۔ چنانچہ صحابہ سے بدر کے موقعہ پر جو عجیب قوت ظاہر ہوئی اور چند بے سروسامان صحابہ نے ہزار سے زائد ہتھیاروں سے لیس کفار کا مقابلہ کر کے ان کو قتل کر دیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ (انفال:۱۷)

(ترجمہ: تو تم نے انہیں قتل نہ کیا؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل کیا ہے)

مطلب یہ کہ یہ کرامت اللہ کا فعل ہے، جو تمہارے ہاتھوں ظاہر ہوا ہے۔

مولانا نعیم الدین مرادآبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''جب مسلمان جنگ بدر سے واپس ہوئے تو ان میں سے ایک کہتا تھا کہ میں نے فلاں کو قتل کیا، دوسرا کہتا تھا، میں نے فلاں کو قتل کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، کہ اس قتل کو تم اپنے زوروقوت کی طرف نسبت نہ کرو کہ یہ درحقیقت اللہ کی مدد اور اس کی تقویت وتائید ہے۔''(۱)

الغرض حضرات انبیاء واولیاء سے جو معجزہ وکرامت ظاہر ہوتے ہیں، وہ حق ہیں، مگر ان کا تعلق اللہ کے فعل سے ہے، اور وہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

جب خدا چاہتا ہے تو ہوتا ہے، ورنہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ انبیاء واولیاء کو اللہ نے پورا اختیار دے دیا ہے، وہ جو چاہیں اب اپنی مرضی واختیار سے کر سکتے ہیں۔

---

(۱) خزائن العرفان ص:۲۵۹، تفسیر انفال آیت:۱۷

وسیلہ

حضرات انبیاء واولیاء، صلحاء وشہداء کا وسیلہ لینا شریعت میں کیا درجہ ومقام رکھتا ہے؟ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے۔اس کو سمجھنے سے پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ وسیلہ کی مختلف صورتیں ہیں اوران میں سے ہرصورت کا حکم الگ ہے، نیز یہ بھی صاف ہوجانا ضروری ہے کہ وسیلہ کی کونسی صورت میں اختلاف ہے۔

وسیلہ کی پہلی صورت:

وسیلہ کی ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حاجات پیش کرتے ہوئے دعاء میں بزرگان دین ومقبولانِ الٰہی کا واسطہ دیا جائے اور یوں کہے کہ اے اللہ! ان مقبول بندوں کے طفیل وصدقہ میری یہ حاجت ومراد پوری فرمادے۔

یہ صورت دیوبندی حضرات وبریلوی حضرات دونوں کے نزدیک جائز ہے اوراس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ترمذی، حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک نابینا شخص حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ میں بینائی جاتے رہنے سے پریشان ہوں اورمیرے پاس کوئی رہبر نہیں ہے۔آپ نے اس کو دعاء سکھائی، جس میں یوں ہے۔اے اللہ! میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اور سوال کرتا ہوں تیرے نبی محمد کے واسطے سے جو نبی رحمت ہے۔(۱)

یہ روایت صحیح قرار دی گئی ہے، جیسا کہ علامہ سبکی نے فرمایا۔

بزرگانِ دیوبند نے اس وسیلہ کی صورت کو جائز قرار دیا ہے اورخود بھی اس وسیلہ کی صورت کو اپنایا ہے۔مولانا قاسم صاحب نانوتوی علیہ الرحمہ بانی دارالعلوم دیوبند نے منظوم مناجات، میں اس کو اپناتے ہوئے اللہ سے التجا کی ہے:

بحق سرورِ عالم: بحق برتر عالم محمد

(۱) شفاء السقام علامہ سبکی: ۱۶۶

نیز حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ ''تقویۃ الایمان'' میں فرماتے ہیں:

ہاں! اگر یوں کہے کہ ''یا الہ کچھ دے شیخ عبدالقادر کے واسطے'' تو بجا (درست) ہے۔(۱)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ ''تفسیر معارف القرآن'' میں فرماتے ہیں:

''ان (اولیاء و انبیاء) کا واسطہ دے کر براہ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا، روایات حدیث اور ارشادات قرآن سے اس کا بھی جواز ہے۔ وہ بھی اس استعانت (وسیلہ و توسل) میں داخل نہیں جو حرام و شرک ہے۔(۲)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان دیوبندیؒ تمام علماء دیوبند کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''وان توسل بالنبی وبعدہ من الاولیاء العظام جائز بان یکون السُوال من اللّٰہ تعالیٰ ویتوسل بولیّہ ونبیہ ﷺ''(۳)

(نبی اور ان کے بعد اولیاء اللہ سے وسیلہ پکڑنا جائز ہے، اس طرح کہ سوال تو اللہ تعالیٰ سے ہو اور نبی اور ولی کا وسیلہ لیا جائے)

الغرض یہ صورت باتفاق جائز ہے، البتہ اہل حدیث جمہور سے ہٹ کر اس کو بھی ناجائز کہتے ہیں، مگر ان کا یہ کہنا بے دلیل ہے۔

۞ وسیلہ کی دوسری صورت:

دوسری صورت وسیلہ کی یہ ہے کہ کہ خود بزرگان دین و مقبولانِ بارگاہ الٰہی سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہماری مرادیں و حاجتیں پوری کرنے کے لیے دعاء کریں، بشرطیکہ وہ زندہ ہوں۔ اس صورت میں بھی اختلاف نہیں ہے، سب

(۱) تقویۃ الایمان: ۸۵ (۲) معارف القرآن ۱/۱۰۰ (۳) بحوالہ امداد الفتاوی ۶/۳۲۷

کے نزدیک یہ صورت جائز ہے اور زمانۂ رسالت سے آج تک برابر لوگ حضرات علماء صلحاء بزرگان دین سے اسی طرح دعا کی درخواست کرتے آئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ جو توسل کے مسئلہ میں نہایت متشدد و سخت گیر ہوئے ہیں، وہ بھی اس صورت کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس کے جواز کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں۔ وہ اپنے فتاوی میں اس پر تفصیل سے لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''توسل کے لفظ سے تین معنی مراد لیے جاتے ہیں، ان میں سے دو معنی ایسے ہیں جن پر مسلمانوں کے درمیان اتفاق ہے، ایک جو کہ ایمان و اسلام کی اصل ہے۔ یہ کہ حضور پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ لے۔ دوسرے یہ کہ آپ کی دعاء اور شفاعت سے وسیلہ لے۔ جو شخص وسیلہ کے ان دو معنوں میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے۔''(۱)

بہر حال یہ صورت بھی باتفاق مسلمین جائز ہے، اور یہ صورت جس طرح نبی کریم علیہ الرحمہ سے وسیلہ لینے کے لیے درست ہے، اسی طرح ابن تیمیہؒ کے نزدیک اولیاء صالحین سے وسیلہ لینے کے لیے بھی درست ہے۔(۲)

وسیلہ کی تیسری صورت:

وسیلہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ بعد وصالِ بزرگان دین و الیاء کرام سے، ان کی قبروں پر جا کر دعا کی جائے وہ ہمارے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری مرادیں پوری کر دے۔ اس صورت کو علماء دیوبند ناپسند کرتے ہیں۔ اور ناپسند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ کے وصال کے بعد قبروں میں ان کا سننا اختلافی مسئلہ ہے۔

بعض علماء سلف و صحابہ سماع موتیٰ کے قائل ہیں اور بعض قائل نہیں ہیں اور اس

(۱) فتاوی ابن تیمیہؒ ۱/۱۵۳ (۲) فتاوی ابن تیمیہؒ ۱/۱۳۳

سلسلہ میں اکابرین دیوبند کا مسلک وہ ہے، جو مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے عربی رسالہ ''تکمیل الحبور بسماع اہل القبور'' میں رقم کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

''ہر فرد اور ہر وقت میں سماع موتی کا اطلاق بے دلیل بات ہے، اس طرح یکسر اس کا انکار، نصوص (مذکورہ بالا) کی مزاحمت ہے، اسی لیے ہم نے فی الجملہ سماع موتی کے ثبوت کا دعوی کیا ہے۔ فی الجملہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی وقت میں ہوگا، کسی وقت میں نہیں، کسی کے لیے ہوگا، کسی کے لیے نہیں، بعض باتوں میں ہوگا، بعض میں نہیں۔''(۱)

اور یہی بات احناف میں سے حضرت علامہ محمود آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں بیان کر کے فرمایا ہے:

''وهذا الوجه هو الذی یترجح عندی''

(یعنی توجیہ میرے نزدیک راجح ہے)(۲)

نیز سلف صالحین سے بھی کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ بعد وصال بزرگوں سے ان کی مزاروں پر جا کر دعا کے لیے کہتے تھے۔ اس لیے دیوبند کے مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس صورت کو جائز قرار دے کر فرمایا ہے کہ ''پھر بھی احتیاط اجتناب میں ہے۔''(۳)

ایک وضاحت:

مگر یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ وسیلہ کی تیسری صورت کے بارے میں جو لکھا گیا ہے۔ یہ بزرگوں اور اولیاء اللہ کے متعلق ہے۔ نبی کریم ﷺ کی مزار پر آپ سے دعاء کی درخواست علماء دیوبند کے نزدیک جائز ہے۔ کیونکہ آپ کا قبر اطہر میں زندہ ہونا اور زائر قبر کی بات کا سننا ثابت ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع

---

(۱) احکام القرآن: ۱۶۸/۳۔ عربی (۲) احکام القرآن: ۵۸ (۳) امداد المفتین: ۱۹۵

صاحبؒ نے آیت: ﴿ وَلَوْ اَنھَّم اِذْظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جآءُ وْکَ فَاسْتَغْفَرُاللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَلَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُاللّٰہَ تَوَّابَ الرَّحِیْمًا﴾ (نساء:٦٤)

(اوراگر یہ لوگ جب انہوں نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر، آپ کی خدمت میں آتے پھر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور اللہ کے رسول بھی ان کے لیے معافی مانگتے تو یہ لوگ اللہ کو تواب اور رحیم پاتے)

اس کے تحت میں لکھا ہے کہ:

اس (آیت) کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوجائے اور آپ اس کے لیے دعائے مغفرت کردیں، اس کی مغفرت ضرور ہوجائے گی۔ اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حاجت کے زمانہ میں ہوسکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔(۱)

اور علماء دیوبند کا معمول رہا ہے کہ وہ روضۂ اقدس پر حاضری کے موقعہ پر آپ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اپنی حاضری کے موقعہ پر آپ کے دربار میں جو منظوم نظم پیش کیا تھا۔ اس میں یہ اشعار بھی ہیں:

فانظر الی ظفر قدجاء معتذراً☆ والطف بصب کئیب ھائم شفق

واستغفر اللّٰہ لی حتی تجاوز عن☆ زنات ھوت بالجھل فی الزلق

(ترجمہ: ظفر کی طرف نظر کرم کیجئے کہ وہ عذر خواہ ہوکر آیا ہے۔ اور اس عاشق پر جو غمگین پیاسا اور خوف زدہ ہے، لطف وکرم کیجئے اور میرے لیے اللہ سے استغفار کیجئے تاکہ وہ میرے نفس کی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کرے جو جہالت سے صادر ہوئے ہیں۔)

(۱) معارف القرآن: ۴۵۹/۲

الغرض علماء دیوبند کا نقطۂ نظر نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ کی مزار پر حاضر ہوکر دعا کی درخواست کرنے کا جواز ہے۔البتہ آپ کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے حق میں اس صورت وسیلہ کو احتیاط کے خلاف کہتے ہیں، کیونکہ صحابہ وسلف سے اس کا معمول منقول نہیں ہے۔

چوتھی صورتِ وسیلہ:

وسیلہ کی چوتھی صورت وہ ہے جو آج عوام الناس میں معروف ومروج ہے۔ اور بریلوی حضرات بھی اس کی تائید وتوثیق فرماتے ہیں ،اورعوام کواس صورت پر کاربند ہونے اور رہنے کی تاکید بھی فرماتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ خود اولیاء اللہ و بزرگانِ دین سے اس خیال سے اپنی مرادیں مانگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے دربار تک بلاواسطہ رسائی نہیں پاسکتے۔ جیسے دنیوی بادشاہوں تک بغیر واسطہ ووسیلہ رسائی نہیں ہوسکتی لہٰذا خدا کے بجائے انہی اولیاء کرام سے مانگا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اللہ نے اپنی قدرت کا ایک حصہ ان کو دے دیا ہے۔لہٰذا وہ اس قدرت سے ہماری مرادیں پوری کردیں گے۔

اس صورتِ وسیلہ کو علماء دیوبند صحیح نہیں مانتے اورفرماتے ہیں کہ اس میں دوغلطیاں ہیں۔

(ا) ایک یہ کہ ان لوگوں نے اللہ کے دربار کو دنیوی بادشاہوں کے درباروں کی طرح سمجھ لیا ہے کہ جس طرح دنیوی بادشاہوں کے دربار میں رسائی کے لیے مختلف درمیانی لوگوں کا واسطہ چاہئے۔اسی طرح اللہ کے دربار سے حاجت براری کے لیے بھی اولیاء اللہ کا وسیلہ چاہئے۔یہ دووجہ سے غلط ہے،اولاً اس لیے کہ اسلام نے اپنی حاجات کے لیے بلاواسطہ اللہ ہی کو پکارنے اوراسی سے مدد چاہنے کی تعلیم دی ہے،جیسا کہ اس سے پہلے مضمون ''مشکل کشا'' کے تحت ہم نے ثابت کردیا ہے۔نیز

قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ:

﴿وَاِذَاسَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَادَعَانِ.الخ﴾(بقرہ:۱۸۶)

(ترجمہ: اے نبی جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں (کہ میں دور ہوں یانزدیک) تو فرمادیجئے کہ میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب وہ پکارتا ہے۔)

اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ انسان کے قریب ہے اور ہر پکارنے والے کی آواز سنتا ہے۔لہٰذااسی سے ہر بندہ مانگے،سوال کرے اوراسی کو پکارے۔

دوسرے اس لیے کہ دنیوی بادشاہوں کے پاس واسطے کی ضرورت اس لیے ہے کہ بادشاہ ہرکسی کی بات خودسن نہیں سکتا۔ نیز سارے لوگ اس کے پاس جمع ہوجائیں تو خود بادشاہ کوبھی بشریت کے تقاضے سے پریشانی ہوجائے۔تو یہ بادشاہ اپنی کمزوری کی بناء پر واسطے رکھتے ہیں۔لیکن اللہ کی ذات تو ہرکمزوری سے پاک ہے۔وہ ہرایک کی ہرجگہ سے سنتا ہےاورساری دنیا بھی مل کراللہ کو بیک وقت پکارے تو اسے ہرایک آواز کوممتازطریقے سے سننے میں کوئی مشکل نہیں پیش آتی۔تو ایسے خداکو دنیوی بادشاہوں پرقیاس کرنا کونسی عقلمندی ہے؟

(۲) دوسری غلطی اس میں یہ ہے کہ ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جس طرح دنیوی حکومتوں میں بعض اختیارات ماتحت افسروں اورگورنروں کو بادشاہ کی طرف سے مل جاتے ہیں اوراس کے بعد وہ افسر وگورنراپنے اس اختیارکواستعمال میں لاکر زیراختیار معاملات میں خود ہی فیصلہ کرتے ہیں اور اسی طرح اللہ نے اپنے نبیوں وولیوں کو کچھ اختیارات دے دیے ہیں اوروہ اس کی بناپر کائنات میں تصرف کرتے ہیں۔مگر یہ بھی دووجہ سے غلط ہے۔

ایک تو اس لیے کہ ہم نے اوپر ''مشکل کشا'' عنوان کے تحت دلائل سے واضح کر دیا ہے کہ اللہ نے ایسا اختیار نہ نبی کو دیا ہے، نہ ولی کو۔ لہٰذا یہ بات من گھڑت ہے۔ جب خدا خود ہی بتائے کہ کسی کو اختیار وقدرت نہیں۔ سارا اختیار مجھ ہی کو ہے تو کسی اور کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ کے اختیارات مخلوق کو تقسیم کر کے اپنی فیاضی وسخاوت کا مظاہرہ کریں؟

دوسرے اس لیے کہ دنیا کے بادشاہوں میں یہاں یہ تقسیم مناصب وتفویض اختیارات کا طریقہ اس لیے ہے کہ یہ بادشاہ دوسروں کے محتاج ہیں خود کچھ نہیں کر سکتے، لہٰذا اپنا عجز چھپانے کے لیے ایسا کرتے ہیں، مگر اللہ کی ذات تو کسی کی محتاج نہیں۔ اس کو ان بادشاہوں پر قیاس کرنا نری جہالت ہے۔

غرض یہ صورت وسیلہ اصولِ اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ اس لیے علماء دیوبند اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

آیت وسیلہ کی تفسیر:

بعض لوگ جو وسیلہ کی اس غلط صورت کے حامی ہیں، وہ آیت وسیلہ سے اپنے مطلب پر دلیل لانے کی کوشش کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

﴿يَآيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوااتّقُو اللّٰهَ وَابْتَغُوْااِليهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ (مائدہ:۳۵)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو قرآن میں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم ہے اور عوام بے چارے صرف لفظ وسیلہ سن کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اس سے مراد یہی صورت ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ قرآن میں صرف یہی تو فرمایا کہ وسیلہ تلاش کرو۔ جب وسیلہ کی کئی صورتیں ہیں تو ان میں سے یہاں کون سی صورت مراد ہے؟ اس کو کیوں نہیں پوچھا جاتا، جب اور بھی صورتیں وسیلہ کی ہیں اور ان کے جائز ہونے پر اتفاق

بھی ہے ،تو یہاں اسی کو مراد لینا چاہئے ۔ دوسرے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس آیت میں علماء تفسیر نے نیکیاں مراد لی ہیں ،یعنی بندہ اپنی عبادات ونیکیوں کے ذریعہ اللہ سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرے ۔ جمہور علماء اس کا یہی مطلب لیتے ہیں جیسا کہ روح المعانی ،قرطبی وغیرہ میں ہے۔

حاصل یہ کہ بندہ اللہ سے ڈرے اور اللہ سے قرب حاصل کرنے کے لیے نیکیوں میں لگے ۔یہی اس کے لیے وسیلہ ہے۔ کہاں یہ وسیلہ اور کہاں وہ جس میں خلافِ شریعت امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

عوام میں وسیلہ کی بنیاد پر جہالت:

آج عوام میں وسیلہ کی بنیاد پر جو خرافات و جہالت کی باتیں پائی جاتی ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں، مزاروں پر نذر و نیاز، عرس و فاتحہ، بزرگوں کو پکارنا، ان کو سجدے کرنا وغیرہ وہ سب اس وسیلہ کی غلط صورت کو دل میں جمانے کا نتیجہ ہے۔

شفاعت

نبی کریم ﷺ، اولیاء اللہ، صالحین وشہداء کرام کا شفاعت کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر ہر زمانے میں اہل سنت والجماعت کا اتفاق رہا ہے۔صرف ایک گمراہ فرقہ معتزلہ گزرا ہے، جس نے شفاعت سے انکار کیا ہے، مگر وہ بھی رفع درجات کے لیے شفاعت کے قائل ہیں۔

دیوبندی علماء اور بریلوی علماء دونوں اپنی اپنی کتابوں میں بڑے اہتمام سے اہل سنت کا یہ عقیدہ پیش کرتے ہیں کہ انبیاء واولیاء، صلحاء وشہداء، علماء وحفاظ کرام، اپنے اپنے درجہ ومرتبہ کے لحاظ سے گنہ گاروں اور عام مسلمانوں کے حق میں شفاعت کریں گے۔

مسئلہ شفاعت ایک اتفاقی مسئلہ:

چنانچہ یہاں دیوبندی علماء میں سے ایک کا اور بریلوی علماء میں سے ایک

کا حوالہ پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ یوبندی علماء میں حضرت تھانویؒ کے مشہور ومعروف خلیفہ مرشدی حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ اپنی کتاب ''تعلیمات اسلام'' میں لکھتے ہیں۔

''آپ (نبی کریم ﷺ) قیامت کے روز خدا تعالیٰ کی اجازت سے گنہ گاروں کی بخشش کی سفارش کریں گے۔ اسی لیے آپ کو شفیع المذنبین کہا جاتا ہے۔ آپ کی سفارش قبول کی جائے گی اور کافر ومشرک کے سواء سب کی سفارش ہوگی۔ آپ کے علاوہ دیگر انبیاء واولیاء وشہداء صلحا بھی سفارش کریں گے، مگر بلا اجازت کوئی سفارش نہ کرے گا۔''(۱)

بریلوی عالم مولانا امجد علی رضوی صاحب ''بہار شریعت'' میں فرماتے ہیں

''قیامت کے دن مرتبۂ شفاعت کبریٰ حضور کے خصائص سے ہے۔''(۲)

بہرحال یہ طے شدہ ہے کہ شفاعتِ انبیاء واولیاء صلحاء وشہداء حق ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

نقطۂ اختلاف کی وضاحت:

البتہ اختلاف جو کچھ ہے وہ شفاعت کی صورت میں ہے، ایک شفاعت وجاہت ہوتی ہے کہ کوئی نبی یا ولی محض اپنی وجاہت ومرتبہ سے اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کی شفاعت کرے، جیسے دنیوی بادشاہوں کے دربار میں وزیر ومشیر لوگ اپنے مرتبہ کی وجہ سے کسی کے حق میں سفارش کرتے ہیں اور بادشاہ کو اس خیال سے ان کی سفارش قبول کرنی پڑتی ہے کہ کہیں یہ لوگ باغی نہ ہوجائیں۔

دوسری شفاعت محبت کہ محبوب کسی کی سفارش کرے اور محبّ کو محض محبت کی وجہ سے اور اس خیال سے کہ محبوب مجھ سے ناراض نہ ہوجائے اس کی سفارش قبول

(۱) تعلیمات اسلام حصہ اول ص:۶۲ (۲) بہار شریعت:۱۳۰

کرنا پڑتا ہے۔

تیسری شفاعت بالاذن یعنی اجازت پاکر سفارش کرنا۔

بریلوی علماء تینوں قسموں کی شفاعت کے قائل ہیں۔(۱)

اورعلماء دیوبند فرماتے ہیں کہ اگر چہ انبیاء واولیاء اللہ کے حضور وجاہت بھی حاصل ہے اور مقام محبوبیت بھی حاصل ہے؛ مگر اس وجاہت ومقام محبوبیت کو دنیوی بادشاہوں کے دربار میں حاصل ہونے والی وجاہت اور لوگوں کے درمیان حاصل ہونے والے مقام محبوبیت پر قیاس کرنا درست نہیں۔ لہٰذا کسی بڑے سے بڑے نبی وولی کی وجاہت اللہ کو اپنی مرضی کے خلاف سفارش قبول کرنے پر مجبور نہیں کرسکتی۔ اسی طرح ان کا مقام محبوبیت بھی اللہ تعالیٰ کو سفارش قبول کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اللہ کسی کا محتاج نہیں اور کوئی بھی اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

لہٰذا انبیاء وو الیاء جو شفاعت کریں گے وہ نہ شفاعت وجاہت ہوگی اور نہ شفاعتِ محبت؛ بلکہ وہ تیسری شفاعت ہوگی جو اللہ کی اجازت ومرضی سے ہوگی۔

یہ ہے علماء دیوبند کا نظریہ ونقطۂ خیال۔

❁ اللہ تعالیٰ کسی کی وجاہت ومحبت سے مجبور نہیں ہوتا:

اب ہم اس کے دلائل پر نہایت اختصار سے کلام کریں گے۔ پہلے وجاہت کی بات لیجئے۔ قرآن مجید نے حضرت نوحؑ کے واقعات میں بتایا ہے کہ

''انہوں نے اپنے بیٹے (کنعان) کے حق میں اللہ سے سفارش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ان کی یہ سفارش رد فرمادی کہ

﴿اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلاَ تَسْئَلْنِ مَالَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ (ہود:۴۵۔۴۷)

(۱) دیکھو''بہار شریعت:۱/۱۴''

(تمہارا یہ بیٹا غیر صالح اعمال کی وجہ سے تمہارا بیٹا کہلانے کا مستحق نہیں، آپ کو جس بات کا علم نہیں اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کیجئے۔'')

غور کیجئے کیا حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ کے نزدیک وجاہت ومقام محبوبیت حاصل نہ تھا؟ کہ اللہ نے ان کی شفاعت کورد کر دیا۔ بے شک وجاہت بھی حاصل تھی محبوبیت بھی حاصل تھی؛ مگر یہ وجاہت ومحبوبیت اللہ کو مجبور نہیں کر سکتی۔ بلکہ یہ وجاہت ومحبوبیت جو ان کو یا ان کے علاوہ اور انبیاء کو حاصل ہے، وہ محض اللہ کی عنایت ورحمت ہے۔اس کو دنیا کی وجاہت ومحبوبیت پر قیاس نہیں کرنا چاہئے۔

اور ملاحظہ کیجئے کہ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے کتنے محبوب اور اللہ کے نزدیک کس قدر مرتبہ والے تھے؛ مگر جب انہوں نے اپنے باپ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی سفارش کی تو اللہ نے قبول نہ فرمائی اور قرآن نے یہ بھی بتا دیا کہ

(حضرت ابراہیمؑ نے جو اپنے باپ کے حق میں مغفرت کی سفارش کی تھی۔ یہ اس وجہ سے تھی کہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو وہ اس سے بری ہو گئے۔(توبہ:۱۱۴)

نیز شفیع اعظم حضرت محمد ﷺ نے حضرت ابراہیم کی اقتدا میں اپنے چچا ابو طالب کے لیے استغفار کیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ

(نبی یا مسلمانوں کو لائق نہیں کہ مشرکین کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں اگر چہ وہ ان کے رشتہ دار ہی ہوں۔ جب کہ انہیں کھل گیا کہ وہ دوزخی ہیں۔'' (توبہ:۱۱۳)

مولانا نعیم الدین مرآدبادی اس کا شان نزول یہی بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا کہ میں تمہارے لیے استغفار کروں گا جب تک کہ مجھے ممانعت نہ کی جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ممانعت فرما دی۔(۱)

(۱) خزائن العرفان:۲۹٦

یہ معلوم ومسلم ہے کہ نبی کریم ﷺ سے زیادہ نہ کوئی اللہ کو محبوب ہے نہ اللہ کے نزدیک ذی وجاہت؛ مگر آپ کے چچا کے حق میں اللہ نے آپ کی سفارش قبول نہ کی بلکہ خود سفارش کرنے سے بھی روک دیا۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شفاعت وسفارش، وجاہت ومحبوبیت کی وجہ سے قابل قبول نہ ہوگی؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کی وجہ سے مقبول ہوگی۔

شفاعت، اجازت پر موقوف ہے:

اوپر یہ ثابت ہوگیا کہ محض وجاہت ومحبوبیت سے سفارش نہ ہوگی اور ہوگی تو مقبول نہ ہوگی؛ بلکہ اللہ کی اجازت ومرضی سے ہوگی۔ اس مضمون پر قرآن میں متعدد آیات موجود ہیں یہاں صرف دو آیات نقل کرتا ہوں۔ ایک جگہ فرمایا۔

﴿مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ﴾ (بقرہ:۲۵۵)

(کون ہے جو اللہ پ کے اس سفارش کرے بغیر اس کی اجازت کے)

ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

﴿مَامِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ﴾ (یونس:۳)

(کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس (اللہ) کی اجازت کے بعد)

ان سے معلوم ہوا کہ جب تک اللہ کی طرف سے اجازت نہ ہوگی، کوئی سفارش نہ کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن سارے انبیاء بھی سفارش کرنے سے گھبرائیں گے اور حضرت شفیع اعظم ﷺ کی طرف لوگوں کو بھیجیں گے۔ اور آپ بھی سجدہ میں پڑ کر اجازت طلب کریں گے۔ جب اجازت مل جائے گی تو سفارش کریں گے۔ (بخاری وغیرہ) اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں۔

شفاعت کس کے لیے ہوگی؟

پھر یہ سفارش وشفاعت بھی صرف اس کے لیے ہو سکے گی۔ جس کے لیے اللہ

کی طرف سے اجازت ہوگی۔اس کی مثال ایسی ہے ۔جیسے ایک مجرم بادشاہ کے دربار میں لایا گیااور بادشاہ اس مجرم کوخود معاف کردینا چاہتا ہے۔اس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ حکومت کا خیرخواہ رہا ہے یابادشاہ کا مطیع فرمانبردار رہا ہے۔اب بادشاہ اپنے وزراء ومشیرین کی طرف دیکھ کر کہتا ہے کہ بتاؤ!اس مجرم کومعاف کردیا جائے؟ وزراء ومشیرین بادشاہ کااشارہ سمجھ جاتے ہیں اورعرض کرتے ہیں کہ حضور! اس کومعاف کردیا جائے ، یہ سفارش بادشاہ کی مرضی کے مطابق ہے۔اسی طرح جس کے حق میں اللہ کا ارادہ اوراس کی مشیت ، معافی کی ہوگی اللہ کااشارہ پاکر شفاعت کی جائے گی۔قرآن پاک میں فرمایا گیا:

﴿لاتَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ﴾ (سبا:۲۳)

(اس دن اللہ کے پاس شفاعت کام نہ آئے گی مگر اس کوجس کے لیے وہ اجازت دے)

یہ مضمون اورآیات میں بھی آیا ہے ۔مثلاً: انبیاء:۲۸،طٰہٰ:۱۰۹، زخرف:۸۶، نجم:۲۶۔غرض یہ کہ شفاعت کے لیے ایک تو یہ ضروری ہے کہ اللہ کی اجازت ہو، دوسرے یہ کہ شفاعت اسی کے لیے نفع دے گی جس کے لیے اللہ کی مرضی ہو،اوراللہ کی مرضی اسی کے لیے ہوگی جو وفادار ہواورنفس کے تقاضے سے گناہ میں آلودہ ہوگیا ہو،اس لیے کفار کے حق میں شفاعت نہ ہوگی۔

آج کل لوگ شفاعت کابیان اس طرح کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں گناہ کے لیے جرأت پیداہوجاتی ہے ۔ اوریوں سمجھا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت پراتنے شفیق اورمہربان ہیں کہ وہ ہمارے لیے ضرورسفارش کریں گےاوراللہ کو نعوذ باللہ ان کی بات کوضرور ماننا پڑے گا۔یہ اندازفکر بلاشبہ غیر مستقیم ہے۔

اختتام

الحمدللہ کہ دیوبندیت وبریلویت کے جن اہم اختلافی مسئلہ پر کلام کرنے کا ارادہ تھا، وہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھ دیے گئے ہیں۔ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، دلائل کی روشنی میں لکھا گیا ہے۔

میں تمام ناظرین سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ تنگ نظری وتعصب سے دور ہوکر، نہایت وسیع القلبی سے ان دلائل کو سمجھنے کی کوشش کریں، اسی لیے ہم نے دلائل کو اسی سادہ طرز پر پیش کیا ہے، جو قرآن وحدیث میں اختیار کیا گیا ہے۔ علمی موشگافیوں اور فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں سے پوری طرح پرہیز کیا ہے۔ کہ ان سے مسائل سلجھنے کے بجائے اور الجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ ورسول نے قرآن وحدیث میں سادگی کے ساتھ ''عقائد'' کی تعلیم وتفہیم کی ہے تا کہ موٹی سے موٹی عقل والا بھی ان کو بآسانی سمجھ لے۔ اسی طرز کو اختیار کر کے ہمیں بھی صحیح راستہ مل سکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو راہ حق کا رہبر بنائے اور قرآن وحدیث کا سچا پیرو بنائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ عفی عنہ